يد الله على الجماعة ترمذی لا جماعة إلا بإمارة دارمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ تنظیم اہلِ حدیث لاہور

جماعت اہلِ حدیث کا خصوصی ترجمان

بانی: مجتہد العصر مفتی دوراں جفیرۃ العلام حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ

بیادِ: سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ

حافظ محمد جاوید روپڑی رحمہ اللہ

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالغفار روپڑی

نگران اعلیٰ: صاحبزادہ عارف سلمان روپڑی

جلد 59 | شمارہ 10 | جمعۃ المبارک 2 تا 8 جنوری 2015ء | فون 042-37656730 | فیکس 042-37659847

اسلام اور شدت پسندی

اسلام اعتدال، تحمل اور برداشت کا دین ہے۔ اسلام کسی بھی صورت میں جبر اور شدت پسندی کا قائل نہیں ہے۔ اس بات کی سب سے بڑی دلیل اللہ تعالیٰ کا نبی رحمت ﷺ کو انسانوں کی طرف داعی بنا کر بھیجنا ہے کیونکہ آپ کسی کے ساتھ زبردستی کرنے والے نہیں تھے بلکہ آپ کی ذمہ داری لوگوں تک احسن انداز سے احکام باری تعالیٰ کو پہنچانا تھا اور آپ نے کبھی کسی پر اسلام کو زبردستی نہیں ٹھونسا اور نہ ہی آپ دوسروں کے افعال واعمال کے ذمہ دار تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا: اے نبی ﷺ! آپ نصیحت کرو، آپ نصیحت کرنے والے ہی ہو، ان پر جبر کرنے والے نہیں، اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ہم نے ان پر آپ کو نگہبان بنا کر نہیں بھیجا بلکہ آپ کی ذمہ داری صرف بات کو پہنچا دینے کی ہے۔

اسلام میں شدت پسندی اور انتہاء پسندی کی کسی صورت میں حوصلہ افزائی نہیں کی گئی بلکہ ہر مقام پر اعتدال پسندی کی تلقین کرتے ہوئے شدت پسندی کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے کیونکہ شدت پسندی انتہاء پسندی کی جانب لے جاتی ہے جس سے ایک شدت پسند معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے اور شدت پسند معاشرہ ہمیشہ فساد اور بگاڑ میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پچھلی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئیں اور تم دین میں غلو سے بچو، غلو کا معنی شدت یا انتہاء پسندی ہے اور غلو اعتدال کی ضد اور دین کی روح کے منافی ہوتا ہے۔ اعتدال اور امن لازم وملزوم ہیں جہاں اعتدال ہوگا وہاں امن ہوگا اور جہاں امن ہوگا وہاں اعتدال پایا جائے گا۔ کاش! ہم بھی اسلام کی اصل منشاء کو مدنظر رکھتے ہوئے راہِ اعتدال اختیار کریں۔

www.jaamia.com weekly.tanzeem@gmail.com

درس حدیث

حافظ عبدالوحید روپڑی (سرپرست جماعت اہلحدیث)

حصولِ امن کے سنہری اصول بزبانِ رسول مقبول

عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ قَالَ: سَمِعْتُ خَوْلَةَ بِنْتَ قَيْسٍ وَكَانَتْ تَحْتَ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ تَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ مَنْ أَصَابَهُ بِحَقِّهِ بُورِكَ لَهُ فِيهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيمَا شَاءَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ مَالِ اللهِ وَرَسُولِهِ لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ. ''ابوولید سے مروی ہے کہ میں نے سیدنا حمزہ ؓ کی بیوی خولہ بنت قیس ؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ مال ہرا بھرا میٹھا ہے جس نے اس کو حق کے ساتھ لیا اس میں اس کے لیے برکت کی جاتی ہے اور جس نے اسے ناجائز طریقے سے حاصل کیا اس کے لیے قیامت کے دن جہنم کی آگ ہوگی۔'' (ترمذی کتاب الزھد باب ماجاء فی اخذ المال جزء 7 ص 91 رقم الحدیث: 2374)

مال انسان کی مرغوب چیز ہے ہر انسان اسے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، بسا اوقات اس کے حصول کے لیے ناجائز ذرائع بھی استعمال کر لیتا ہے۔ حلال اور جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا مال انسان کے لیے ذہنی وقلبی سکون کا سبب بننے کے ساتھ ساتھ اس کی عزت وآبرو کا باعث بھی بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت کی جاتی ہے، لیکن حرام ذرائع سے حاصل شدہ مال انسان کے لیے دنیا میں بے سکونی، بے چینی کے ساتھ ساتھ آخرت میں دخول جہنم کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اکل حلال اور اعمال صالحہ کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ''اے انبیاء کی جماعت! تم حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اعمال صالحہ کرو۔'' (المؤمنون: 51)

اکل حلال قرب باری تعالیٰ اور قبولیت دعاء کا سبب بنتا ہے، حرام خور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ بارگاہ الٰہی میں اس کی التجائیں شرف قبولیت سے محروم رہتی ہیں ان حرام ذرائع میں سے ایک ناجائز طریقے سے یتیم کا مال کھانا جسے رسول اللہ ﷺ نے انسان کو ہلاک کر دینے والی سات اشیاء میں سے پانچویں نمبر پر ذکر فرمایا ہے۔ یتیم کے مال کی حفاظت کرنا اس کے ساتھ بہت بڑی خیر خواہی اور اسلامی فریضہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک کوئی انسان کسی انسان کی خیر خواہی اور مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتے ہیں۔

معاشرے میں ایسے مال کو مال غنیمت سمجھ ضائع کر دیا جاتا ہے کہیں یہ یتیم بڑا ہو کر ہمارے مقابلہ میں کھڑا نہ ہو جائے۔ اسی سوچ نے معاشرے میں بڑے بڑے جرائم کو جنم دیا اور قتل وغارت کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا (بقیہ ص: 24)

جماعت اہل حدیث کا خصوصی ترجمان
ہفت روزہ تنظیم اہلِ حدیث لاہور

مدیر انتظامی
حافظ عبدالوہاب روپڑی
فاضل اُم القریٰ مکہ مکرمہ

اداریہ

پروفیسر میاں عبدالمجید

فرقہ واریت کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟

وطن عزیز سے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے ملک کی تمام پارلیمانی جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں، دہشت گردی کے اسباب اور اس کے سدباب کے لیے بیس نکات پر مبنی پروگرام حکومت کو پیش کیا گیا۔ تخریب کاری کی دیگر وجوہات کے علاوہ باہمی فرقہ واریت کو اس کا سب سے بڑا سبب گردانا گیا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو قرآن مجید میں حکم دیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مل کر تمام مسلمان تھام لیں اور فرقوں میں نہ بٹ جائیں، پہلی اُمتوں کے زوال کے اسباب میں بھی ان کی فرقہ پرستی سب سے بڑا سبب بنتی رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہودی اکہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے، عیسائیوں کے بہتر فرقے بن گئے جبکہ میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

معاشرتی زندگی میں ہر قسم کی نفرت باہمی، باہمی دشمنی، لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کا باعث بنتی ہے لیکن مذہبی منافرت انتہائی شدید ہوتی ہے کیونکہ اس میں مذہبی جنون ہوتا ہے اور اس نفرت میں انسان دیوانہ ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اور حدیث رسول میں بھی فرقہ واریت سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے فرقہ واریت کو معاشرتی امن و سکون کے لیے زہر ہلاہل تو تمام لوگ سمجھتے ہیں لیکن اس کے سدباب کے لیے بس اتنا ہی کافی سمجھا جاتا ہے کہ ایک دوسرے فرقے کے خلاف تقریر و تحریر سے پرہیز کیا جائے۔ شر انگیز لٹریچر اور نعرے بازی سے گریز کیا جائے اور پھر حکومت کی طرف سے ان احکام کی خلاف ورزی پر سخت سزا کی وعید دی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ عارضی تدابیر باہمی فاصلوں کو ختم اور باہمی منافرت کو کم کر سکتی ہیں؟ زیادہ سے زیادہ حکومت ضلعی، ڈویژنل اور صوبائی سطح پر امن کمیٹیاں قائم کر دیتی ہے جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء کو نمائندگی دی جاتی ہے اور اتحاد کے نام پر کچھ علماء اپنی تنظیمیں بنا لیتے ہیں، مشترکہ جلسے ہوتے ہیں۔ یہ عمل

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالغفار روپڑی
مدیر: پروفیسر میاں عبدالمجید
مدیر انتظامی: حافظ عبدالوہاب روپڑی
معاون مدیر: حافظ عبدالجبار مدنی
معاون مدیر: مولانا شاہد محمود جانباز
مینیجر: حافظ عبدالظاہر عاذب 0300-8001913
Abdulzahir143@yahoo.com
کمپوزنگ: ذوالفقار عظیم بھٹی 0300-4184081

فہرست

درس حدیث 1
اداریہ 2
الاستفتاء 5
تفسیر سورۃ الاعراف 6
جشن میلاد کی شرعی حیثیت؟ 10
شاہ اربل کا تحفہ 14

زر تعاون
فی پرچہ......10 روپے
سالانہ......500 روپے
بیرون ممالک 200 ریال (امریکی 50 ڈالر)

مقام اشاعت
ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" رحمٰن گلی نمبر 5
چوک دالگراں لاہور 54000

بھی جاری رہتا ہے اور فرقہ واریت کے باعث قتل وغارت بھی جاری رہتی ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دین میں فرقہ بندی سے منع کیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرقہ بندی سے منع کیا ہے تو پھر فرقہ واریت کہاں سے آئی؟ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تم ہرگز گمراہ نہیں ہو گے وہ اللہ کی کتاب اور میری سنت ہے۔

اسلام نام ہے قرآن وسنت کا معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی میں مگر وقت کے ساتھ اگر کوئی ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن کے بارے میں قرآن وحدیث سے براہِ راست کوئی حکم نہیں ملتا تو اس سلسلے میں بھی حدیث رسول ﷺ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔سیدنا معاذ بن جبلؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن کا گورنر مقرر کیا، صحابیٔ رسول ہونے کے ناطے آپ انتظامی امور کے نگران بھی تھے اور عدلیہ کے سربراہ بھی تھے۔رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم فیصلے کس طرح کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اللہ کی کتاب سے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں براہِ راست وہ حکم نہ مل سکے تو انھوں نے کہا: آپ ﷺ کے ارشادات عالیہ یعنی حدیث رسول کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی مسئلہ میں میرا حکم بھی صراحت کے ساتھ نہ مل سکے تو انھوں نے کہا کہ میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کروں گا، آپ ﷺ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی یعنی یہ امت کے لیے رہنما اصول متعین فرمادیا کہ اگر براہِ راست قرآن وسنت سے کوئی مسئلہ نہ ملے تو علماء امت اجتہاد اور قیاس سے کام لیں۔جس طرح آج کل سٹاک ایکسچینج، بینکنگ، انشورنس وغیرہ کے مسائل ہیں تو ان مسائل پر امت کے وہ علماء جو جدید معاشی اصولوں سے بھی واقف ہوں وہ امت کی رہنمائی کریں، اب ان مسائل پر اپنا الگ فرقہ یا مسلک بنانے کی کیا ضرورت ہے؟

اسی طرح عبادات کی ادائیگی، معاملات میں بھی مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس بناء پر الگ فرقے کیوں بنائے جاتے ہیں؟ ہم مسلمان ہیں، ہم سب اللہ وحدہٗ لاشریک کو مانتے ہیں، صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، ہمارا رسول ایک ہے ہمارا قرآن ایک ہے، ہمارا قبلہ ایک ہے، ہمارا کلمہ جس کو پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتے ہیں وہ ایک ہے، پنجگانہ نماز، رمضان المبارک کے روزوں کی تعداد، نصاب ومصارف زکوٰۃ، ادائیگی حج سب ایک ہیں تو پھر ہم ایک کیوں نہیں؟ قرآن مجید نے تو اسلام کی اس نعمت کو باہم محبت والفت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تمھارے دلوں میں الفت پیدا کردی، پھر دوسرے مقام پر فرمایا کہ بیشک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے ظلم کے سپرد کرتا ہے یعنی خود ظلم کرنا تو درکنار کسی دوسرے کو بھی مسلمان پر ظلم نہیں کرنے دیتا بلکہ آپ نے مسلمان کی تعریف ہی یہ بیان فرمائی کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ مسلمان کا خون، آبرو، مال سب دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ مسلمان باہم ایک دیوار کی مانند ہیں کہ اس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کی تقویت کا باعث ہے۔ایک اور حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ تم ایک جسم کی مانند ہو، اگر جسم کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔علامہ اقبالؒ نے اسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے۔

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں
ہندوستاں کا ہر پیر و جواں بے قرار ہو جائے

اس قدر واضح فرامین رب العالمین اور رحمۃ للعالمین کے پھر ہم مذہب کے نام پر ایک دوسرے کے گلے کیوں کاٹتے ہیں؟ اگر حکومت واقعی فرقہ واریت کو ختم کرنا چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے جید علمائے کرام کو اکٹھے بٹھا کر اس فرقہ واریت کے خاتمے کے لیے ایک لائحہ عمل طے کرائے۔قرآن وسنت ہمارے وہ دو بنیادی مینارۂ نور ہیں۔آیئے اُمت ان پر اکٹھی ہو اگر کسی کو کسی مسئلہ میں کسی مجتہد کی رائے اقرب الی اللہ کتاب وسنت معلوم ہوئی ہو تو وہ اس پر عمل کرے لیکن ہم اپنے بنیادی رشتے اسلام کو ہی اپنی شناخت بنائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار زمین پر سیدھی لکیر کھینچی اور پھر اس لکیر کے دائیں بائیں ترچھی لکیریں لگائیں پھر آپ ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جو سیدھی لکیر ہے یہ میرا راستہ ہے اور جو اس لکیر کے دونوں طرف آڑی ترچھی لکیریں ہیں ان سب پر شیطان بیٹھا ہوا ہے۔ اپنے سیدھے راستے کی تشریح آپ ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی **ما انا علیه واصحابی** جس راستے پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ ہم الحمدللہ اپنے آپ کو مسلمان کے لقب کے بعد اہلسنت والجماعت اسی لیے کہلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کی جماعت کے مطابق عمل کرنے والے ہم اہلحدیث بھی اسی لیے کہلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے مطابق عمل کرنے والے پھر نہ معلوم ہم فرقوں، گروہوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہونا کیوں پسند کرتے ہیں، جب ہم ایک جماعت ہوں گے، فرقے بازی کی تفریق ختم ہو جائے گی تو خود بخود نفرتیں کدورتیں ختم ہو کر ہم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔

کسی مسجد کو مسجد ضرار قرار دینا صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے

گذشتہ دنوں T.V پر خطاب کے دوران ایک سیاسی جماعت کے سربراہ نے لال مسجد اسلام آباد کو مسجد ضرار قرار دیا اور مزید اس بارے میں نامناسب کلمات ادا کیے۔ اس مسجد کو مسجد ضرار قرار دیے جانے کا سبب اس مسجد کے خطیب مولانا عبدالعزیز کو بتایا گیا۔ ہمارا مولانا عبدالعزیز سے نہ کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ہم کسی معاملے میں ان کی وکالت کرتے ہیں۔ انسان فانی ہے اور جو مسجد کسی زمین پر تعمیر کی گئی ہو وہ قیامت تک باقی رہنے والی ہے۔ مولوی عبدالعزیز ضعیف العمر آدمی ہے، چند سال بعد جب تک اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی لکھی ہے پوری کر کے وہ دنیا کے ساتھ ساتھ لال مسجد کو بھی چھوڑ جائے گا یا ممکن ہے اس کی زندگی میں ہی اسے کسی طرح مسجد سے علیحدہ کر دیا جائے لیکن لال مسجد باقی رہے گی۔ صرف وہ سیاسی رہنما ہی اپنے مخصوص لب و لہجے میں اس مسجد پر الزام تراشی نہیں کر رہے تھے اور لوگوں سے سوال کر رہے تھے کیا اس مسجد میں اسلحہ خانہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ سٹیج پر بٹھائے گئے علماء قسم کے کچھ لوگ مدعی سست گواہ چست کا رول ادا کر رہے تھے۔ وہاں جو کچھ کہا گیا سنا گیا، مثلاً عبداللہ شاہ غازی کے مزار پر حملہ اسی مسجد سے کیا گیا وغیرہ۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی صفائی نہیں دینی کہ لال مسجد میں اسلحہ خانہ ہے یا اسلحہ ساز فیکٹری یا وہاں سے کس کس جگہ حملہ کیا گیا۔ مجھے تو صرف اتنی گزارش کرنی ہے ''اللہ تعالیٰ کے اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہی رہنے دو۔''

نواحِ مدینہ میں بنائی گئی مسجد ضرار کو منہدم کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اور وہ بنیادی طور پر مسجد کی نیت سے بنائی ہی نہیں گئی تھی بلکہ ابو عامر فاسق نے منافقین مدینہ کے ساتھ مل کر پلاننگ کی تھی کہ باہر سے میرے بھیجے ہوئے آدمی مدینہ منورہ میں اپنے سازشی پروگرام کی تکمیل کے لیے اور نامہ و پیام کے سلسلے میں آئیں گے ان کے قیام کے لیے کوئی محفوظ جگہ ہو چنانچہ طے پایا کہ مسجد کے نام پر ایک عمارت تعمیر کی جائے تا کہ ان سازشی عناصر کو مسافروں کے روپ میں یہاں قیام کی سہولیت میسر آ جائے، رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی گئی کہ آپ اس مسجد میں نماز ادا فرما کر اس کا افتتاح کر دیں کیونکہ ہم میں سے جو ضعیف العمر آدمی یا مریض مسجد نبوی نہیں جا سکتے وہ یہیں نماز ادا کر لیا کریں۔

جنگ تبوک کی تیاریوں کی مصروفیت کی وجہ سے آپ ﷺ وہاں تشریف نہ لے جا سکے۔ تبوک سے واپسی پر اللہ تعالیٰ نے منافقین کا پردہ چاک کر کے اس کے مسمار کرنے کا حکم دیا۔ حکم ربانی کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کا ایک دستہ بھیج کر اس کو مسمار کیا اور جلا ڈالا، اسے مسجد ضرار قرار دے کر مسمار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ اب اگر یہ اختیارات کسی بھی جماعت کے سربراہ یا علماء کو دے دیے گئے کہ وہ جس مسجد کو چاہیں مسجد ضرار قرار دے کر اسے مسمار کرنے کا حکم دے دیں تو پھر کوئی مسجد بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ایسی شر انگیز اور فتنہ پرور تقریر کا فوری نوٹس لے اور سٹیج پر بیٹھے خواجے کے گواہ ڈڈوؤں کا بھی محاسبہ کرے۔

□□□

الاستفتاء

حافظ عبدالوہاب روپڑی

پاکستانی مصنوعات پر غیر ملکی مہریں لگانا اور ان کو فروخت کرنے کا شرعی حکم

سوال: ہمارے والد صاحب استریاں بنانے کا کاروبار کرتے ہیں جو چائنہ اور پاکستان کے میٹریل سے یہاں تیار کرتے ہیں پھر انہیں پاکستانی ریٹ کے مطابق بیچتے ہیں جبکہ دوکاندار اصرار کرتے ہیں کہ ان کے اوپر میڈان جاپان یا میڈان ملائیشیا کی مہر لگا کر دیں اور ہم لگا دیتے ہیں پھر دوکاندار وہ استریاں میڈان جاپان اور میڈان ملائیشیا کا نام دے کر فروخت کرتے ہیں کیا ہمارا مہریں لگا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس طریقے سے حاصل کی گئی رقم حلال ہوگی یا حرام؟ قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔

سائل: حافظ محمد فیض عمر

الجواب بعون الوہاب: تجارت انسانی زندگی کا ایک لازمی جزء ہے، ہر انسان زندگی میں شعبہ تجارت کے ساتھ بالواسطہ یا بلاواسطہ ضرور منسلک رہتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں جو اپنی زندگی میں کسی چیز کو خریدتا یا بیچتا نہ ہو حتیٰ کہ عورتیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس لیے ہر انسان بالخصوص اہل اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ تجارت کو شریعت مطہرہ کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق سرانجام دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس فریضہ کو سچائی اور دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے والے شخص کے لیے بہت اونچا درجہ بتلایا ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے: اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْأَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ ''سچا ایماندار تاجر انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا''

(صحیح الترغیب والترھیب کتاب البیوع باب ترغیب التجارفی الصدق ج2ص342رقم الحدیث:1782)

سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ہم پیشہ تجارت سے منسلک تھے رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: يَامَعْشَرَ التُّجَّارِ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ ''اے تاجروں کی جماعت! جھوٹ سے بچو۔'' (صحیح الترغیب والترھیب کتاب البیوع باب ترغیب التجارفی الصدق ج2ص346رقم الحدیث:1793)

اسی طرح سیدنا عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ بَاعَ مِنْ أَخِيْهِ بَيْعًا فِيْهِ عَيْبٌ إِلَّا بَيَّنَهُ لَهُ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو کوئی عیب دار چیز فروخت کرے سوائے اس کے کہ وہ سودے کا عیب بیان کردے'' (ابن ماجه کتاب البیوع باب من باع عیبا فلیبینه ص 385 رقم الحدیث:2246)

سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا ایک غلے کے ڈھیر کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے اپنا ہاتھ اُس میں داخل کیا تو آپ کی انگلیوں کو کچھ نمی محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: مَا هَذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي ''اے غلے کے مالک! یہ کیا ہے؟ اُس نے عرض کی: اے اللہ رسول! اس پر بارش ہوگئی تھی تو آپ نے فرمایا: تم نے اسے غلے کے اوپر کیوں نہ رکھا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جس نے دھوکہ دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں''

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول النبی من غشنا فلیس منا ج 1 جزء 2 ص90 رقم الحدیث:102)

(بقیہ: ص9)

تفسیر سورۃ الاعراف

حافظ عبدالوہاب روپڑی (فاضل ام القریٰ مکہ مکرمہ) (قسط نمبر 42)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى بِآيَاتِنَا إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ
فَظَلَمُوا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (103)
وَقَالَ مُوسَى يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ
(104) حَقِيقٌ عَلَى أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ
بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ (105) قَالَ إِنْ
كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (106)
فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ (107) وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا
هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ (108) قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ
هَذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ (109) يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ
فَمَاذَا تَأْمُرُونَ (110) قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي
الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ (111) يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ (112)
وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ
الْغَالِبِينَ (113) قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ (114)
قَالُوا يَا مُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ
(115) قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ
وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ (116)"ان کے بعد ہم
نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے معجزات دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی
طرف بھیجا مگر انھوں نے بھی ہمارے معجزات سے ظلم (ناانصافی کی) پھر
دیکھ لو، فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا (103) موسیٰ علیہ السلام نے
فرعون سے کہا کہ یقیناً میں رب العالمین کا رسول ہوں (104) اور میرے
لائق یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے متعلق وہی بات کہوں جو سچی ہو، میں
تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے معجزات لے کر آیا ہوں لہٰذا
(اے فرعون!) تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ روانہ کر دے (105)
فرعون کہنے لگا کہ اگر تو واقعی سچا ہے تو جو کوئی نشانی (معجزہ) تو لے کر آیا ہے
اُسے پیش کر (106) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصاء (لاٹھی) ڈال دیا
تو ناگہاں فوراً وہ ایک اژدھا بن گیا (107) اور (گریبان سے) اپنا ہاتھ
نکالا تو وہ دیکھنے والوں کو چمکدار دکھائی دینے لگا (108) قوم فرعون کے
سردار کہنے لگے یہ تو بہت بڑا ماہر جادوگر ہے (109) وہ تو یہی چاہتا ہے کہ
(اپنے جادو کے ذریعے) تمھیں تمھارے ملک (مصر) سے باہر نکال دے
اب تم کیسے (مشورہ) دیتے ہو (110) پھر انھوں نے فرعون سے کہا کہ
موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کا معاملہ زیر التواء رکھو اور شہروں میں
اپنے کارندے بھیج دو (111) جو ماہر جادوگروں کو اکٹھا کر کے تیرے پاس
لائیں (112) چنانچہ جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے کہ اگر ہم
غالب آگئے تو ہمیں کچھ انعام و کرام بھی ملے گا؟ (113) فرعون نے کہا
کیوں نہیں (سب کچھ ملے گا بلکہ) میرے دربار میں قرب (منصب) بھی
ملے گا (114) جادوگر کہنے لگے کہ اے موسیٰ! تم ڈالتے ہو یا ہم پہلے
ڈالیں (115) موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم ہی پہلے ڈالو پھر جب انھوں
نے (رسیاں پھینکیں) تو انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور
انھیں خوف زدہ کر دیا اور بڑا زبردست جادو بنا لائے (116)"

مشکل الفاظ کے معانی

الْمَلَأُ	سردار
عَاقِبَةُ	انجام

حَقِيقٌ	لائق، شایان شان
عَصَا	لاٹھی
ثُعْبَانٌ	اژدھا
بَيْضَاءُ	چمکدار
أَرْجِهْ	زیرالتوا رکھ
اسْتَرْهَبُوهُمْ	انھوں نے خوف زدہ کردیا

ماقبل سے مناسبت

سابقہ آیات مبارکہ میں پانچ انبیاء علیہم السلام اوران کی قوموں کا تذکرہ تھا، ان آیات کریمہ میں اللہ تعالی نے ایک اور جلیل القدر نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام اوران کی قوم کے احوال ذکر کیے ہیں۔

التوضیح

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى بِآيَاتِنَا إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ.

اللہ رب العزت نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی معجزات اور واضح دلائل کے ساتھ فرعون کی طرف مبعوث فرمایا۔ فرعون زمین مصر کا رب کہلواتا اور اس نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بہت سمجھایا لیکن فرعون اور اس کی قوم حسب سابق موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا مسلسل انکار کرتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ غور وخوض کریں کہ کس طرح ہم نے ان کا انجام کیا۔

اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو فرما کر حقیقت میں نافرمانوں اور سرکشوں کو سمجھانا مقصود تھا کہ تمھاری اور فرعون کی طاقت میں بھی فرق ہے یعنی وہ تم سے کہیں زیادہ مضبوط اور طاقتور تھا لیکن وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہ سکا، فرعون اور اس کے سرداروں کو اللہ تعالیٰ نے فساد کرنے والے قرار دیا ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت اور شرعی احکامات کو نظر انداز کر دینا ہی حقیقت میں فساد ہے، فرعون اور اس کے سرداروں میں یہ چیز بدرجہ اتم موجود تھی۔

وَقَالَ مُوسَى يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

حَقِيقٌ عَلَى أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ.

سیدنا موسیٰ علیہ السلام دربار فرعون میں تشریف لے جا کر اس کو پیغام الٰہی سناتے ہیں کہ اے فرعون! میں اللہ کی طرف سے رسول مقرر کر کے بھیجا گیا ہوں اور رسول اللہ کے حکم کا پابند ہوتا ہے اور وہ وہی بات کرتا ہے جو حق ہو اور کبھی بھی اللہ کے ذمہ اپنی طرف سے کسی بات کو منسوب نہیں کرتا اور وہ صرف وہی بات کرتا ہے جس کا اُسے اللہ کی طرف سے حکم ملے۔

حَقِيقٌ عَلَى أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ

ان دونوں جملوں (رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ اور حَقِيقٌ عَلَى أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ) میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا تذکرہ ہے کہ تمام جنوں اور انسانوں کا رب اللہ ذوالجلال ہی ہے اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو منصب رسالت بھی اسی نے عطا فرمایا ہے۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ.

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے معجزات کو پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تمھارے رب کی طرف سے ہیں۔ اس جملہ سے فرعون کے ''رب'' اور ''الٰہ'' ہونے کی تردید کرتے ہوئے واضح کیا کہ معجزات میری طرف سے نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت پر واضح دلیل پیش کرنے کے بعد فرعون سے بنی اسرائیل کی آزادی طلب کی تا کہ آپ ان لوگوں کو لے کر ان کے آبائی گاؤں ارض مقدس میں چلے جائیں اور اپنی قوم کے ساتھ اپنی عبادت سکون سے انجام دے سکیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کو فرعون نے 400 سو سال تک غلام بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر نجات عطا فرمائی۔

معجزات موسیٰ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ پر فرعون نے موسیٰ ؑ سے معجزات کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا: قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ. اور معجزہ بھی انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی ایک دلیل ہوا کرتا ہے، اسی لیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے بالفعل اس کا صدور ہوا انھوں نے اپنی لاٹھی زمین پر اپنی دائیں طرف سے فرعون کے سامنے ماری تو وہ لاٹھی ایک بہت بڑا اژدھا بن گئی جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ.

لفظ ''مبین'' واضح کرتا ہے کہ وہ اژدھا حرکت کر رہا تھا اور بعض مفسرین کرام کے خیال کے مطابق سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی زمین پر پھینکنے کے وقت فرعون اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور یہ اژدھا فرعون کی طرف چلا اور اس نے اپنا منہ کھولا اس کا ایک جبڑا تخت کے ساتھ اور دوسرا جبڑا فرعون کے محلات کو چھو رہا تھا جسے دیکھ کر فرعون ڈرتے ہوئے بھاگا اور ہوا بھی خارج ہوگئی اور ساتھ ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اژدھا کو روکنے کی درخواست کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کے لیے تیار ہوگیا، سیدنا موسیٰ کے پکڑتے ہی سانپ لاٹھی بن گیا اور فرعون اپنے وعدے سے منحرف ہوگیا۔ (تفسیر طبری ج9 ص19)

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دوسرا معجزہ یہ عطا کیا کہ آپ اپنا ہاتھ اپنی قمیص میں داخل کرنے کے بعد نکالتے تو وہ سورج کی طرح روشن ہوتا تھا، حالانکہ اس پر برص یا کسی دوسری بیماری کا کوئی اثر نہ تھا موسیٰ علیہ السلام نے جب دوبارہ اُسے اپنی آستین میں داخل کیا تو اس کا رنگ پہلے جیسا ہوگا۔

قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ.

ان معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد فرعون نے اپنے اُمراء اور وزراء کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا تو بعض امراء اور وزراء نے سیدنا موسیٰ کو جادو کے تمام فنون کو جاننے والا قرار دیا اور یہ بھی واضح کیا کہ یہ جادو سے ہی لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا ہے اور یہ تمھیں تمھاری زمین سے نکال کر تمھاری سلطنت پر قابض ہو کر تم سے مال ومتاع اور اقتدار ہتھیانا چاہتا ہے لیکن مشورہ کے باوجود بھی انھوں نے فرعون کے حکم کو ہی حرف آخر سمجھا، اسی لیے انھوں نے کہا کہ ہم تو آپ کے حکم نامے کے منتظر ہیں کیونکہ اس دور جادو اپنے عروج پر تھا اسی لیے انھوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو بھی جادوگر ہی تصور کیا۔

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ.

فرعون نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام سے فی الحال درگزر کرتے ہوئے انھیں کوئی سزا نہ دی جائے اور شہروں کے تمام نامی گرامی جادوگروں کو ان کے مقابلے کے لیے کھلے میدان میں جمع کر لیا جائے۔ اس مشورے پر فرعون نے عمل کرتے ہوئے تمام ماہر جادوگروں کی طرف حکم نامہ ارسال کر کے ان کو ایک کھلے میدان میں جمع ہونے کا حکم دیا۔

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ. فرعون کا حکم مانتے ہوئے تمام جادوگر جمع ہوئے اور انھوں نے فرعون سے سوال کیا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آجائیں تو ہمارا کیا انعام ہوگا؟ فرعون نے انھیں بہت قیمتی انعام وکرام کی خوشخبری دیتے ہوئے ان کے لیے اپنے قرب کا اعلان کیا، یہی وہ چیز ہے جو ایک دنیادار، جاہ وجلال کے متمنی اور ایک سچے مومن کے درمیان فرق کرتی ہے۔ مومن دنیا کے جاہ وجلال اور مال ومتاع کے حصول کی غرض سے کبھی اپنے مالک حقیقی کی نافرمانی کر کے اسے ناراض نہیں کرتا۔

ایک دنیادار انسان ان مناصب کے حصول کے لیے ایسے شاہی درباروں میں قرب حضوری کے لیے مارا مارا پھرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ أَتَى السُّلْطَانَ افْتُتِنَ جس نے جنگل کی سکونت اختیار کی وہ سخت دل ہوا (دینی ماحول نہ ہونے کے سبب) اور جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل ہوا اور جو حاکم کے پاس آتا جاتا رہا، آزمائش میں پڑا (یا تو ہاں میں ہاں

ملانی پڑے گی یا مخالفت مول لینی پڑے گی)۔(سنن ابوداود کتاب الصید باب فی اتباع الصید ص 507رقم الحدیث: 2859حسن۔جامع الترمذی کتاب الفتن باب من اتی ابواب السلطان افتتن ج 4جزء 7ص 30رقم الحدیث: (2256

اسی طرح شاہی درباروں میں قرب حاصل کرنے والے بسااوقات اپنے ایمان سے ہاتھ دھونے کے ساتھ ساتھ مصائب وآلام کا بھی شکار ہوتے ہیں، یہی حال ان جادوگروں کا تھا، انھوں نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنے کا اجر طلب کیا اور انھیں دربار شاہی کا قرب حاصل ہونے کی اُمید دلائی گئی۔

قَالُوا يَا مُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ

مقررہ وقت پر تمام جادوگر کھلے میدان میں جمع ہوگئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ کے پاس جو چیز ہے اس کا اظہار پہلے آپ کریں گے یا ہم اپنا جادو پیش کریں تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے برجستہ فرمایا کہ تم جو کرنا چاہتے ہو پہلے اس کا مظاہرہ کرو، انھوں نے اپنے ساتھ اپنی رسیوں کو کھلے میدان میں چھوڑا اور لوگوں کی آنکھوں پر جادو کیا جس سے تمام حاضرین کو وہ رسیاں سانپ دکھائی دینا شروع ہوگئیں، یہ منظر دیکھ کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دل میں خوف پیدا ہوا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سمجھتے تھے کہ ان کے پاس جو معجزہ ہے وہ جادو کی جنس سے نہیں اسی لیے فرمایا تھا کہ تمھارے جادو کو عنقریب اللہ تعالیٰ باطل کردیں گے۔

اخذشدہ مسائل

(1)لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں انبیاء مبعوث فرمائے اور انبیاء کو کوئی نشانی یا معجزہ عطا فرمایا۔

(2)سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مختلف معجزات عطا فرمائے ان میں سے پہلا معجزہ لاٹھی اور دوسرا معجزہ ہاتھ کا سفید ہوجانا ہے۔

(3)فرعون اور اس کی جماعت نے ظلم کا ارتکاب کیا کیونکہ انھوں نے اقرار کی جگہ انکار کردیا اور یہی چیز ظلم کہلاتی ہے، کسی چیز کو اس کی اصل جگہ پر نہ رکھنا ظلم کہلاتا ہے جیسے کفر کو انھوں نے ایمان کی جگہ دے دی۔

(4)انبیاء ہمیشہ حق بات کہتے اور اس کا اظہار کرتے رہے ہیں۔

(5)فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے ہاتھ پر لاٹھی کو سانپ بنایا اور موسیٰ علیہ السلام کے گریبان سے ہاتھ نکلتے ہی اس کو روشن کردیا۔

(6)فرعون اور اس کی جماعت موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر سمجھ کر باہمی مشاورت سے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔

(7)فرعون نے اپنی سلطنت کے اطراف سے کم وبیش 70 یا 73 جادوگر جمع کیے۔

(8)فرعون کے وزراء اور اس کی قوم اس کی عاجزی اور رسوائی جان چکی تھی کیونکہ اس نے اپنی مدد کے لیے جادوگروں کو جمع کیا تھا حالانکہ اس کا دعویٰ رب الاعلیٰ ہونے کا تھا۔

(9)جادو اور معجزہ کا واضح فرق یہ ہے کہ معجزنبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے اور فاسق وفاجر آدمی کے ہاتھ پر پیدا ہونے والا ایک خیال وتصور اور جادو کہلاتا ہے۔

□□□

بقیہ: دارالاستفتاء

ان مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے تجارت میں جھوٹ بولنے، عیب کو چھپانے اور دھوکہ کرنے سے منع کیا ہے۔

صورت مسئولہ میں چائنہ اور جاپان کے میٹریل سے پاکستان میں تیار کی جانے والی استری پر میڈان ملائیشیا یا جاپان کی مہریں لگا کر اسے فروخت کرنا تجارت میں دھوکہ اور خیانت ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے اور اس تجارت سے حاصل ہونے والا نفع بھی حرام ہوگا اس لیے سائل کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دلی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے مذکورہ طرز عمل کو ترک کرکے استری پر وہی مہریں لگائیں جہاں وہ تیار کی جاتی ہے۔فقط

□□□□

جشن میلاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

شیخ الحدیث مولانا ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے انسانوں میں سے ہی برگزیدہ اور مقدس ترین ہستیوں کا انتخاب کیا اور ہر دور میں ان ہستیوں میں سے حسب حال جسے چاہا منصب رسالت سے نوازا۔ ہر رسول نے اپنے منصب کا حتی المقدور حق ادا کیا اور قوم کی رشد و ہدایت کی طرف راہنمائی کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اور رسول اپنی قوم کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتا ہے۔ ثانیاً جبلت اور فطرت کے لحاظ سے وہ عام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے جوان تمام عمدہ صفات کا حامل ہوتا ہے جو کسی بھی انسان کے لیے ہونی ضروری ہیں۔

انبیاء کی تعلیم میں بگاڑ

نبی اللہ تعالیٰ کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے جس تعلیم کا حامل اور داعی ہوتا ہے وہ ہدایت اور رشد کا اعلیٰ نمونہ ہوتی ہے جس سے بہتر کوئی نمونہ ممکن نہیں لیکن اس کے باوجود ہر قوم نے اس اعلیٰ اور مصفی تعلیم کو مکدر کیا، اس کے اسباب ہر دور میں شائد مختلف رہے ہوں لیکن ایک سبب جس کا تعلق اس تعلیم کے حاملین کے ساتھ ہے اور وہ تقریباً ہر قوم اور امت میں مشترک رہا ہے وہ اپنے نبی کی تعلیم کو اعمال خیر میں ناکافی سمجھتے ہوئے اس میں اپنی طرف سے اضافہ ہے جس سے وہ تعلیم اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہی اور اس میں کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ان لکل عامل شرۃ ثم فترۃ فمن کانت فترتہ الی بدعۃ فقد ضل ومن کانت فترتہ الی سنۃ فقد اھتدی** (الاعتصام للشاطبی ص 53 ج 1) ہر عامل کے لیے رغبت اور نشاط ہوتی ہے پھر اس میں ضعف اور کمزوری آجاتی ہے جس کی کمزوری بدعت کی طرف ہوئی وہ گمراہ ہوگیا اور جس کی کمزوری سنت کی طرف ہوئی وہ ہدایت پا گیا جب ہم سابقہ امم کی گمراہی کے اسباب تلاش کرتے ہیں تو ان میں ایک اہم سبب نبی کے بعد اس کی اصل تعلیم میں اپنی طرف سے اضافہ ہے اور یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ جس سے اصل دین کا حلیہ بگڑ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین میں اضافہ کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: **ستۃ العنھم ولعنھم اللہ وکل نبی مستجاب الزوائد فی دین اللہ وفی روایۃ ستۃ لعنھم اللہ ولعنھم وفیھا الراغب عن سنتی الی بدعۃ** کچھ شخص ایسے ہیں جن پر میں لعنت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے، ان چھ اشخاص میں ایک وہ شخص ہے جو اللہ کے دین میں اضافہ کرتا ہے اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میری سنت سے اعراض کر کے بدعت کی طرف رغبت کرتا ہے۔ (الاعتصام ص 52 ج 1)

غالباً اسی خدشہ کے پیش نظر کہ سابقہ امتوں نے اپنے انبیاء کی مصفی تعلیمات میں اپنی طرف سے ان کو مکدر اور آلودو گدلہ کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے واضح الفاظ میں تنبیہ کر دی تھی اور فرمایا تھا: **من اقتدی بی فھو منی ومن رغب عن سنتی فلیس منی** جس نے میری اقتدا کی (سنت پر عمل کیا) وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے بے رغبتی اور اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

(الاعتصام ص 52 ج 1)

ان تمام احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے دین میں اضافہ اور بدعت سازی ایک سنگین جرم ہے ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی لعنت کا مستحق ہے اور اُس کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

جشن میلاد یا دین میں اضافہ

اس میں کسی بھی صاحب بصیرت کو تردد اور شبہ نہیں ہوسکتا کہ جشن میلاد کا وجود نہ رسول اللہ ﷺ کے دور مبارک میں تھا اور نہ ہی خلفاء راشدین مہدیین کے ادوار مبارکہ میں تھا۔ بلکہ نہ صحابہ کرام کے عہد میں تھا اور نہ تابعین و تبع تابعین اور نہ ائمہ اربعہ کے ادوار میں تھا بلکہ یہ چوتھی صدی ہجری میں اس کا دین میں اضافہ کیا گیا اس کا اضافہ کرنے والے مصر کے حکمران فاطمی تھے جنھوں نے اپنی حکومت کو استحکام بخشنے کے لیے عیسائیوں کی نقل اور تقلید میں اسلام میں اس کا آغاز کیا۔

فاطمیوں کا تعارف

تیسری صدی کے آخر میں مغرب سے سعد بن تمیم کی اولاد نے مصر پر قبضہ کر کے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی بظاہر یہ لوگ خود کو سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں سے شمار کرتے اور شیعہ ہونے کا دعوی کرتے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی نہ یہ نسبتاً فاطمی تھے اور نہ ہی مذہباً شیعہ تھے۔ جن علماء کرام اور مؤرخین نے تاریخ اسلامی میں مختلف پیدا ہونے والے فرقوں اور ان کے عقائد کو بیان کیا ہے وہ اس پر متفق ہیں کہ یہ لوگ باطنی تھے جو بظاہر اسلام کا نام لیتے تھے لیکن باطن میں کفر چھپائے ہوئے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ سے ان کے عقائد کے بارے میں سوال ہوا جس کا انھوں نے بڑی شرح وبسط سے جواب دیا جس کا خلاصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ جمہور ائمہ ان کے نسب میں طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ مجوس یا یہود کی اولاد میں سے ہیں مختلف مسالک کے علماء احناف، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، اہل حدیث، اہل کلام، علماء نسب اور عام علماء کی ان کے بارے میں یہی رائے اور شہادت ہے کہ ان کا فاطمی النسب ہونا باطل ہے امام ابن جوزی، ابن شامہ اور دیگر اہل علم بھی جمہور کی طرح ان کے نسب کو باطل قرار دیتے ہیں۔

قاضی ابوبکر الباقلانی نے اپنی کتاب **کشف اسرارهم وهتك استارهم** میں ذکر کیا ہے کہ یہ مجوس کی اولاد تھے، ان کا مذہب، یہود و نصاری کے مذاہب سے بھی بدتر ہے بلکہ ان لوگوں کے مذہب سے بھی گیا گزرا ہے جو سیدنا علی المرتضیٰؓ کی الوہیت یا نبوت کا دعوی کرتے ہیں اور کفر میں ان سے بھی آگے ہیں۔

قاضی ابو یعلیٰ نے اپنی کتاب ''المعتمد'' میں ان کے کفر و زندیق پر ایک طویل فصل حوالہ قلم کی ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب **المستظهريه وفضائح الباطنيه** میں فرمایا ہے کہ ان کا ظاہری مذہب رفض ہے اور باطن میں خالص کفر ہے۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہ تمام مخلوق میں سے زیادہ جاہل ہیں ان کے پاس نہ نقل ہے نہ عقل ہے اور نہ صحیح دین ہے۔ علماء امت ان کا شمار قرامطہ باطنیہ میں سے کرتے ہیں جو اسلام کا اظہار تو کرتے تھے لیکن باطن میں کفر چھپاتے تھے، ان کے مذہب کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مجوسیوں اور فلسفیوں کے احوال کا مرکب تھے انھوں نے چند اقوال مجوسیوں کے اور چند اقوال فلسفیوں کے لے کر اپنے مذہب کی تدوین کی ہے۔

انھوں نے دعوی کیا تھا کہ وہ علم باطن کے عالم ہیں ان کا یہ دعوی ہی ان کے کفر پر واضح دلیل ہے یہ زندیق منافق ہیں جو نہ اللہ تعالی پر اور نہ رسول پر اور نہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کے کافر ہونے پر مسلمانوں یہودیوں، عیسائیوں اور اکثر مشرکوں کا بھی اتفاق ہے بلاشبہ ان کا کفر ہر قسم کے کفر کا جامع ہے، ان کے تعلیمی اداروں میں حدیث کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی بلکہ حدیث بیان کرنا موت کو قبول کرنے کے مترادف تھا ان کا تعلیمی نصاب منطق، فلسفہ، الہیات اور طبعیات وغیرہ پر مشتمل تھا۔

جامع ازہر میں انھوں نے کئی مقصورے محض اس لیے بنائے تھے کہ وہاں صحابہ کرام پر لعنت کی جاتی تھی اور صریحاً بے کلام کیا جاتا تھا۔ یہ ستاروں کی پوجا کرتے، رسول اللہ ﷺ کی رسالت بلکہ حقیقتاً تمام رسولوں کی رسالت کا ابطال کرتے تھے ان کا اصل مقصد ملت میں فساد برپا کرنا تھا مصر میں ان کی حکومت دو سو سال کے قریب رہی ان کے اس دور میں مصر میں اسلام اور ایمان کی شمع بجھی رہی اور کفر کو عروج اور غلبہ حاصل رہا حتی کہ بعض علماء کرام نے ان کے دور میں مصر کو مرتدین اور منافقین کا علاقہ قرار دیا۔ (مجموع الفتاوی ص120 تا 139 ملخصاً و مفہوماً)

یہ حقائق ہیں فاطمیوں کے جن کے ہاتھوں میلاد کا آغاز ہوا، ان کے باطل عقائد کی بناء پر عام مسلمان بھی ان سے نفرت کرتے تھے، یہ تو بدیہی امر ہے کہ حکمرانوں کو عوام کی اکثریت کا خیال رکھنا پڑتا ہے وہ ہر طریقہ سے ان کی دلجوئی کرتے ہیں انھوں نے دیکھا کہ لوگ ان کے باطل عقائد کو تسلیم کرتے بلکہ ان میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کا داعیہ بھی موجزن ہے اور محبت رسول پر اپنی ہر چیز قربان کر دیتے ہیں تو انھوں نے خود کو محب رسول ثابت کرنے کے لیے جشن میلاد کا آغاز کیا اور پھر ان کے سامنے عیسائیوں کی بھی شان تھی کہ ان کا جناب مسیح علیہ السلام کے ساتھ جس طرح کا بھی تعلق ہے مگر وہ کرسمس ڈے پر جناب مسیح سے والہانہ انداز میں تعلق ثابت کرتے ہیں تو انھوں نے مسلمانوں میں بھی عیسائیوں جیسا حربہ آزمایا اور پورے جذبہ کے ساتھ کہ مسلمانوں میں اپنا اعتماد بحال کر سکیں جشن میلاد کا انعقاد کیا۔

محقق علامہ علی محفوظ فرماتے ہیں کہ میلاد کی بدعت سب سے پہلے مصر کے فاطمیوں نے شروع کی انہوں نے دیکھا کہ عیسائی مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے دن کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اسے عید کی طرح خوشی کا دن مناتے ہیں اور ہر طرح کا کاروبار اور بازار بند رکھتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی میلاد رسول کی بدعت شروع کی ایک بدعت کے مقابلہ میں دوسری بدعت اور ایک منکر کے مقابلہ میں دوسری برائی اور منکر کو ایجاد کیا۔ (رسائل ابن زید محمود ص 198)

درحقیقت اس جشن کے انعقاد کے پس منظر سیاسی استحکام تھا یہی وجہ ہے کہ جب فاطمیوں کا خاتمہ ہوا اور ان کا اقتدار باقی نہ رہا تو ان کی یہ شروع کی ہوئی بدعت بھی باقی نہ رہی جیسے ہی حکومت گئی ویسے ہی ان کی یہ بدعت بھی ختم ہوگئی۔ اگر اس جشن کا دین کے ساتھ کوئی تعلق ہوتا تو اہل مصر فاطمیوں کے بعد بھی اس جشن کو باقی رکھتے اور ہر سال اس کا انعقاد کرتے لیکن مسلمانوں نے ایسے نہیں کیا بلکہ اس جشن کو خیر باد کہہ دیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کو شکست دے کر جب مصر فتح کیا تو ان کی دعوت کو بھی ختم کر دیا اور اس میں شریعت اسلام کا اجراء کیا جس سے اسلام کا اظہار کرنیوالوں نے وہاں سکونت اختیار کی۔

(مجموع الفتاوی ص 138 ج 35)

ارض عراق میں احیاء

فاطمیوں کے خاتمہ کے ساتھ ہی جب اس جشن کا بھی خاتمہ ہوگیا تو پورے عالم اسلام میں کوئی بھی علاقہ ایسا نہیں تھا جہاں اس جشن کا انعقاد عمل میں آیا ہو البتہ ساتویں صدی ہجری میں اس بدعت کا دوبارہ احیاء ابوسعید کوکبری کے ہاتھوں ہوا جو اربل کا حاکم تھا، ابوسعید تصوف کا دلدادہ تھا اور صوفیوں کا پیروکار تھا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ متاخرین صوفیہ نے دین کو بدعات سے کس طرح ملوث کر دیا تھا ان کے نظام میں اصل دین کم اور ان کی بدعات زیادہ ہیں اور پھر اتفاق یہ ہوا کہ ابوسعید کو ابوخطاب جیسا کذاب آدمی مل گیا جس نے بادشاہ کو جشن میلاد کے انعقاد پر لگا دیا اور یوں ابوخطاب کی کاوش سے کوکبری کی سرپرستی میں ساتویں صدی کے ربع اول میں اس جشن کا دوبارہ احیاء ہوگیا۔

ابوخطاب کا تعارف

ابوخطاب کا نام عمر بن حسن اندلسی ہے یہ خود کو صحابی رسول دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے نسب میں سے مشہور کرتا تھا لیکن اس کا یہ دعوی غلط تھا اور جو اس نے اپنا نسب بیان کیا وہ باطل ہے جو جناب دحیہ رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچتا۔ یہ ائمہ کرامؒ کے بارہ میں بکواس بکتا تھا۔ مشائخ مغرب نے اس کی جرح و تضعیف تحریر کی ہے یہ کذاب تھا حدیث میں جھوٹ بولتا تھا ابن نجار فرماتے ہیں میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ان کا اس کے کذب و ضعف پر اجماع ہے یہ اس سماع کا دعوی کرتا جو اس نے سماع نہیں کیا ہوتا تھا اس سے ملاقات کا دعوی کرتا جس سے اس نے ملاقات نہیں کی ہوتی تھی۔

حافظ ابوالحسن بن مفضل فرماتے ہیں کہ ابوخطاب ہمارے پاس اصفہان میں آیا میرے والد اس کی بڑی تکریم اور عزت کرتے تھے یہ ایک دن میرے باپ کے پاس آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک سجادہ (مصلی) تھا اس نے اس مصلی کو بوسہ دیا اور زمین پر رکھ دیا اور کہنے لگا کہ میں نے اس پر اتنے نوافل پڑھے ہیں اور کعبہ کے اندر اس پر بیٹھ کر اتنی بار قرآن مکمل کیا

ہے میرے والد نے وہ مصلی پکڑا اسے بوسہ دیا اور اپنے سر پر رکھا اور اسے خوشی اور سرور کے ساتھ قبول کیا۔ اتفاقاً دن کے آخر میں ہمارے پاس ایک اصبہانی آیا اس نے کہا تمھارے پاس جو مغربی فقیہ (ابو خطاب) آیا ہے اس نے اتنے روپوں میں بازار سے ایک بڑا خوبصورت مصلی خریدا ہے میرے والد نے وہ مصلی منگوایا اور اسے دکھایا وہ شخص کہنے لگا: اللہ کی قسم یہی وہ مصلی ہے اس پر میرے والد خاموش ہو رہے لیکن ابوالخطاب کا مقام ان کی آنکھوں سے گر چکا تھا۔ ابن عساکر فرماتے ہیں روایت میں متہم ہے ابن حجر ناقل ہیں یہ اچھی تعریف کے لائق نہ تھا۔ (لسان المیزان ملخصا)

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ جشن میلاد کا انعقاد دو مختلف دوروں میں ہوا اور دونوں دوروں میں اس کا احیاء کرنے والے کذاب قسم کے لوگ تھے اور پرلے درجے کے کافر تھے جن کے کفر پر تمام امت مسلمہ کا اجماع تھا اور ثانی دور میں اس کے موجد بدعتی تھے اور جو اس کا سرغنہ تھا وہ حدیث میں متہم اور کذاب تھا گویا کہ اسلام میں اس جشن کا آغاز کرنے والے غیر معقول اور پایۂ اعتبار سے ساقط تھے۔

جشن میلاد کار خیر نہیں

قبل ازیں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ جشن میلاد کا وجود رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک اور خلفاء راشدین صحابہؓ، تابعین عظام اور ائمہ اربعہؒ کے ادوار میں سے کسی ایک دور میں نہیں تھا بلکہ خیر القرون میں بھی نہیں تھا۔ بتاؤ وہ کون سی چیز ہے جس کا وجود ان ادوار میں نہیں پایا جاتا تھا، صحابہ کرامؓ جو خیرات کی طرف سبقت لے جانے میں کبھی سستی کا مظاہرہ نہیں کرتے تھے اور نیکی کے کسی امر، عمل اور معاملہ میں پیچھے نہیں رہتے تھے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا: وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ اللہ تعالی نے تمھاری طرف ایمان کو محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمھارے دلوں میں مزین کیا اور تمھاری طرف کفر فسق اور نافرمانی کو ناپسند کیا ہے یہی لوگ ہیں کامیاب۔

(الحجرات:7)

صرف ایمان کو ہی ان کے لیے محبوب نہیں بنایا بلکہ ان کے ایمان کو کسوٹی اور میزان قرار دیا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں: فإن امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو یہ ہدایت پا جائیں۔ (البقرہ:137)

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کل عبادة لم یتعبدها اصحاب رسول الله فلا تعبدوها فان الاول لم یدع للاخر مقالا ہر وہ عبادت جو صحابہ کرام نے نہیں کی تم بھی اسے نہ کرو بلاشبہ پہلوں (صحابہ) نے پچھلوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ (الاعتصام ص 342 ج 2) امام مالک تو واضح فرماتے ہیں: فمالم یکن یومئذ دینا فلایکون الیوم دینا جو اس وقت دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہے۔ (الاعتصام ص 33 ج 1)

معلوم ہوا کہ اگر جشن میلاد کار خیر ہوتا تو صحابہ کرامؓ اس خیر سے قطعاً محروم نہ رہتے بلکہ وہ جیسے دیگر نیکی کے افعال کی طرف سبقت لے جاتے تھے تو جشن میلاد کے انعقاد میں بھی یقیناً وہ ضرور سبقت لے جاتے نیز اس کے کار خیر نہ ہونے کی ایک واضح وجہ یہ بھی ہے کہ اس کا آغاز فاطمیوں کے ہاتھوں سے ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ اس جشن میں بہت سی خرافات جمع ہو گئی ہیں عراق میں اس کا احیاء بھی قوالی اور بھنگڑے سے ہوا تھا اور پھر ہر دور میں جب بھی اور جس جگہ بھی یہ جشن منایا گیا اس میں ڈھول ڈھمکا رقص وسرود شامل رہا ہے اب تو صورت حال اس سے بھی مختلف ہوتی جا رہی ہے محافل میں مرد و زن کا اختلاط، آتش بازی، انڈین گانے، لہو ولعب اور مخالفین پر اس جشن میں عدم شمولیت کی وجہ سے لعن وطعن، بیت اللہ، مسجد نبوی اور دیگر مقامات کی شبیہات کا بنانا اور پھر انھیں مٹانا عام معمول بن چکا ہے، اگر یہ کار خیر ہوتا تو اس میں اس قسم کی خرافات جمع ہو سکتے تھے اور پھر خرافات میں اضافہ کی جو رفتار ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جشن جو عقیدت واحترام کے نام سے عبادت کے طور پر منایا جاتا ہے خرافات کا مجموعہ بن کر رہ جائے گا بس اسی سارے پروگرام کی یہی حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا شر سے خیر حاصل نہیں ہوتی۔

شاہِ اَربلُ کا تحفہ!

مولانا عبدالرحمن عزیز الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

ربیع الاول میں اکثر لوگ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے سلسلہ میں محافل وجلوس کا انعقاد کرتے ہیں اور آپ کے مولود مسعود پر اظہار مسرت اور اس دن اذکار واستغفار، صدقہ وخیرات، خوب چراغاں کرنے اور بہترین کھانا پکانے کو باعثِ برکت تصور کرتے ہیں۔

بلاشبہ نبی رحمت ﷺ تمام مخلوقات سے اعلیٰ وافضل، خاتم النبیین اور ''بعداز خدا بزرگ وہی قصہ مختصر'' ہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان محافل وجلوس کا انعقاد واہتمام اظہار تشکر کی بناء پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا؟ کیا تابعین، تبع تابعین (ائمہ کرام) سے ان محافل کے انتظام وانصرام اور شمولیت کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

یہ لوگ محبت رسول ﷺ اور اتباع رسول میں تمام لوگوں سے زیادہ حریص ومشتاق تھے۔ اگر ان لوگوں سے اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو پھر ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ ہم ان کے کردار وفرامین سے روگردانی کر کے ایسی محافل منعقد کریں جس کے انعقاد اور شمولیت سے ان حضرات نے سختی سے منع فرمایا ہو، پھر ولادت باسعادت کے دن اظہار مسرت کا نام محبت رسول ﷺ نہیں بلکہ محبت رسول اتباع رسول ﷺ میں ہے۔

تاریخی شھادت

کتب احادیث وتواریخ کی ورق گردانی سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جشن عید میلاد سن ہجری کے چھ سو سال بعد ایجاد ہوئی۔ صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ اربعہ کے دور میں بالکل ناپید ہے۔

چنانچہ تاریخ کی معتبر کتاب تاریخ ابن خلکان میں اسکی شہادت موجود ہے کہ سن 586 ہجری میں سلطان صلاح الدینؒ نے ابوسعید کوکبوری الملقب بہ ملک المعظم مظفرالدین المتوفی 630ء کو شہر اربل کا گورنر مقرر کیا۔ یہ بادشاہ نہایت مُسرِف (فضول خرچ)، بے دین اور عیاش تھا۔ جشن عید میلاد النبی سب سے پہلے اس نے ایجاد کی جو آج بھی دنیا کے اکثر حصوں میں مروّج ہے۔

تفصیل

تاریخ ابن خلکان میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ شاہ اربل سعادت سے کوسوں دور اور شقاوت سے بھرپور تھا، فسق وفجور کا بازار ہر وقت گرم رکھتا تھا اور مجلس مولود کو ہر سال نہایت شان وشوکت سے مناتا تھا۔ جب شہر اربل کے قرب وجوار میں خبر پہنچی کہ شاہِ اربل نے ایک مجلس قائم کی ہے جس کو وہ بڑی عقیدت مندی اور شان وشوکت سے انجام دیتے ہیں تو بغداد، موصل، جزیرہ سجاوند اور دیگر بلادِ عجم سے گویئے، شاعر اور واعظ، بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے بمہ آلاتِ لہو ولعب ماہِ محرم الحرام سے ہی شہر اربل میں آجاتے اور قلعہ کے نزدیک ایک ناچ گھر ان کے لیے تیار کیا گیا تھا جس میں کثرت سے قبے اور خیمے لگے ہوتے تھے۔

شاہِ اربل بھی ان خیموں میں آتا گانا سنتا اور کبھی کبھی مست ہو کر ان گویوں، بھانڈوں کے ساتھ خود (علامہ ابن جوزیؒ نے بھی اپنی تاریخ مرأۃ الزمان میں اشارہ کیا ہے: ویرقص نفسه بھی رقص کرتا۔

(مرأۃ الزمان)

ماہِ صفر سے ہی مجلس مولود کی تیاریاں شروع ہو جاتیں اور ماہِ ربیع الاول کو مولود منایا جاتا اور شاہی قلعہ سے اونٹ، گائے اور بکریاں ناچ گھر کے مذبح خانے میں اس قدر ذبح کی جاتیں کہ الامان والحفیظ۔

اس جشن کا ہر سو چرچا ہوا تو الناس علی دین ملوکهم کے تحت ضعف ایمان کے ہیرو خوشامدی ٹٹو بن گئے اور ابن دحیہ جیسے احمق اور خبیث اللسان نے اس کی تائید میں رسالہ التنویر فی مولود

السراج المنیر لکھ کر شاہ اربل سے ایک ہزار اشرفی انعام لیا۔ تفصیل کے لیے ابن خلکان ص 436-437 ج 1 میں ملاحظہ ہو۔

وما افسد الدین الا الملوك
احبار سوء ورهبا نها

یہ تھا شاہ اربل کا گرانقدر تحفہ جس کو نام نہاد مسلمانوں نے شرعی مقام بخشا اور ہر سال اس بدعت کی ترویج میں کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

ابن دحیہ کے متلق ائمہ دین کے ارشادات

آیئے! شاہ اربل کے اس گرانقدر تحفے کو شرعی مقام بخشنے والے ابن دحیہ کے متعلق ائمہ دین اور محدثین کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

(1) ابن دحیہ نہایت متکبر، گستاخ، ائمہ دین اور محدثین پر سب وشتم کرنے اور ان کی عیب جوئی میں بڑا بے باک تھا۔

(لسان المیزان ج 2 ص 292)

(2) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں ان ابا الخطاب ابن دحیه کان یفعل ذلك وکانه الذی وضع الحدیث فی قصر المغرب یعنی ابن دحیہ بڑا وضاع الحدیث تھا، مولود کے متعلق جھوٹی روایات بنا کر لوگوں کو سناتا۔

(3) قاضی واصلؒ فرماتے ہیں کہ ابن دحیہ حدیث بیان کرنے میں بے تکی اور انکل پچو سے کام لیتا تھا۔ (لسان المیزان ج 4 ص 292)

(4) انه کان یدعی اشیاء لاحقیقة لها ایسی چیزوں کا دعویدار تھا جن کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ (لسان المیزان ج 4 ص 293)

(5) امام ابن عساکرؒ فرماتے ہیں کہ ابن دحیہ حدیث نبوی ﷺ میں کذب بیانی اور بے اصل بات کہنے میں بے باک تھا۔ (لسان المیزان ج 4 ص 297)

(6) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان میں ج 4 ص 296 پر ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ امام علی بن حسن اصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن دحیہ کا ہمارے شہر سے گزر ہوا۔ اس نے اپنے آپ بڑا محدث وفقیہ، ادیب مفسر اور متقی و پرہیزگار ظاہر کیا اور میرے والد نے ان کی خوب تواضع کی، اتنے میں ابن دحیہ نے ایک جائنماز نکالا اور چوم کر کہا کہ خدا کی قسم اس مصلی پر میں بیت اللہ میں ہزار سے زیادہ نفل نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھ چکا ہوں اور بارہا اس مصلی پر بیٹھ کر قرآن مجید مکمل کیا ہے والد صاحب نے وہ مصلی ابن دحیہ سے خرید لیا۔ اسی دن اصبہان سے عصر کے بعد ایک شخص والد صاحب کے پاس آیا۔

اتفاقاً ابن دحیہ کا ذکر بھی آ گیا، نووارد نے کہا کہ کل ابن دحیہ نے بڑا قیمتی مصلی بازار سے خریدا ہے۔ والد صاحب نے وہی مصلی پیش کر دیا جس کے متعلق ابن دحیہ نے حلفاً کہا تھا کہ ''میں نے اس مصلی پر ایک ہزار رکعت اور بارہا قرآن مجید بیت اللہ میں بیٹھ کر ختم کیا ہے، اس شخص نے دیکھتے ہی کہا: قسم بخدا یہ وہی جائنماز ہے۔ والد صاحب یہ سن کر خاموش ہو گئے اور اس کی یہ چالاکی اور کذب بیانی دیکھ کر دنگ رہ گئے اور اس کو اپنی نظروں سے گرا دیا۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ عید میلاد النبی ﷺ کے جواز کا فتوی دینے والا ابن دحیہ پیٹ پرست، خوشامدی، کذاب، وضاع الحدیث اور خبیث اللسان تھا۔ کیا ایسے دروغ گو اور ہرزاسرا مولوی کا فتوی شرع محمدی ﷺ میں قابل حجت اور قابل سند بن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

خلاف پیغمبر کسے راہ گزید
ہرگز بمنزل نخواہد رسید
(سعدیؒ)

اب محفل میلاد کے متعلق ائمہ دینؒ کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

محفل میلاد بدعت ہے

(1) امام ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: ان اصل المولد بدعة لم ینقل من احد من السلف الصالح فی القرون الثلاثه جشن میلاد در اصل بدعت ہے جس کا ثبوت صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعینؒ سے نہیں ملتا۔

(2) قال عبدالرحمن المغربی عن الحنیفة فی فتاوئه ان عمل المولود بدعة لم یقل ولم یفعله رسول الله صلی الله

علیه وسلم والخلفاء والائمة علامہ عبدالرحمن حنفیؒ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں کہ جشن میلاد بدعت ہے نہ اسے حضورؐ نے فرمایا اور نہ ہی صحابہ کرامؓ اور ائمہ اربعہؒ نے اس طرف توجہ کی اور نہ کسی کو کرنے کی اجازت دی۔

؎ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(3) ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبدالمجید مالکیؒ نے تکملة التفسیر میں لکھا ہے مایهتم لعمل المولد فی الربیع الاول بدعة فیلیق ان ینکر علی مایهتم به جو مجلس میلاد ربیع الاول کے مہینہ میں رچائی جاتی ہے یہ صریح بدعت ہے، مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسی محافل میں شرکت نہ کریں۔

(4) علامہ شرف الدین احمد حنبلیؒ فرماتے ہیں: ان مایعمل بعض الامراء فی کل سنة اقفلا لمولده فمع اشتماله علی التکلفات الشنیعة بنفسه بدعة احدثه من یتبع هواه ولا یعلم ماامره صاحب الشریعة ونهاه بعض لوگ ہر سال آپ ﷺ کی ذکرولادت کے متعلق جو محافل قائم کرتے ہیں وہ سراسر بدعت ہے، اس کے موجد خواہشات نفسانیہ کے پابند اور احکام شریعت سے بالکل بے خبر تھے انھیں کوئی علم نہیں کہ صاحب شریعت نے کس چیز کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے منع کیا ہے۔

(5) علامہ ابن الحاج مالکیؒ نے اپنی کتاب ''مدخل'' میں اس کو بدعت لکھا ہے اور اس کے جملہ امور کو خلاف شرع گردانا ہے۔ (مدخل)

(6) علامہ علاءالدین شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محفل میلاد بدعت ہے۔

(شرح البعث والنشور)

(7) علامہ تاج الدین فاکہانیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ میں میلاد کی محفل کے متعلق کوئی دلیل نہیں ملی۔ صحابہ کرامؓ اور ائمہ اسلام سے بھی اس کے متعلق جواز کا فتوی معقول نہیں مل سکا۔ بلکہ یہ ایک بدعت ہے جس کو شکم پرور اور نفس پرست لوگوں نے ایجاد کیا۔

تفصیل کے لیے ''الحاوی للفتاوی سیوطیؒ'' ص 294 تا 296 ملاحظہ فرمائیں۔ (عزیز الہ آبادی)

(8) علامہ محمد بن ابی بکر الجزویؒ کتاب البدع والحوادث میں رقم طراز ہیں: ومن المنکرات القبیحات والمکروهات الفضیحة فی هذه الاعصار ما یعمل بمولد النبی وما هلك امته من امم المرسلین الابابتداع فی الدین تمام برائیوں اور گمراہیوں سے بڑھ کر برائی اور گمراہی فی زمانہ مجلس میلاد کا قیام ہے اور سابقہ امتوں کی تباہی صرف بدعت کی وجہ سے ہوئی ہے۔

(9) امام نصیرالدین شافعیؒ سے محفل میلاد کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس کا کرنا سلف صالحینؒ سے منقول نہیں بلکہ یہ مجلس عہد صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے بعد برے زمانہ میں رائج ہوئی، جو کام انہوں نے نہیں کیا ہمیں اس کام کو کر کے بدعتی بننے کی کیا ضرورت ہے؟

دیکھیے کتاب شرح الہیہ تلك عشرة کاملة ان ارشادات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ جو کام عہد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں ناپید ومفقود ہو، اس کو ایجاد کرنا اور فروغ دینا بدعت ہے اور ایسے کام کرنے والے کا کوئی عمل بارگاہ ایزدی میں مقبول نہیں اور ایسے اشخاص کی حوض کوثر سے بھی محرومی ہوگی اور نبی کریم ﷺ کی زبان اطہر سے صدا آئے گی سحقا سحقا لمن غیر بعدی (الحدیث) دین میں نئے امور کو فروغ دینے والوں کے لیے جہنم ہے ان کا میرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔

محترم قارئین! عید میلاد النبی ﷺ میں بھرپور حصہ لینے اور مال ودولت کو ضائع کرنے کا نام حب النبی ﷺ نہیں بلکہ اس میں سیدالانبیاء کے ساتھ مذاق ہے۔ اگر اس دن کو منانا ثابت ہوتا تو صحابہ کرام جیسی جانثار جماعت اس سعادت سے کیوں محروم رہی؟ تابعین اور تبع تابعین اس نیکی سے کیوں محروم رہے؟ جن کی زندگیاں حضور ﷺ کے ایماء پر بسر ہوئیں مگر انھوں نے ہر اس کام سے گریز کیا جس پر ہادیٔ برحق حضرت محمد رسول ﷺ کی مہر نہ تھی۔

لو کان حبك صادقا لاطعته
ان المحب لمن یحب مطیع

تین اشخاص کا واقعہ

تین اشخاص پیغمبر علیہ السلام کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے متعلق دریافت کیا، جب ان کو عبادت کی بتائی گئی تو انھوں نے اپنے خیال میں اپنی عبادت کو حقیر جانا اور تینوں نے علی الترتیب یہ بیان دیا:

(1) میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور ناغہ نہ کروں گا۔

(2) میں تمام رات عبادت کروں گا (نماز پڑھوں گا) اور نیند نہ کروں گا۔

(3) میں شادی نہ کروں گا، کیونکہ اہل وعیال عبادت میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں۔

جب ہادیٔ برحق ﷺ گھر تشریف لائے اور آپ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا: تم سب سے زیادہ میں پرہیزگار ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں، شادیاں بھی کی ہیں۔ یادرکھو! جس شخص نے میرے طریقے سے روگردانی کی اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

(مشکوۃ ج 1 ص 270)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ نماز روزہ افضل ترین عبادت ہے مگر اسوۂ محمدی ﷺ کے خلاف ان کی ادائیگی وبال جان ہے۔

واقعہ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ:

اسی طرح صاحب مشکوۃ نے کتاب الجہاد میں سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ان کو فوج کے ہمراہ ایک مہم پر جانے کا حکم ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھنے کی نیت سے سیدنا عبداللہؓ نے فوج کو علی الصبح روانہ کر دیا اور خود نہ گئے۔ جمعہ سے فارغ ہو کر آپ ﷺ نے ابن رواحہؓ کو دیکھ کر فرمایا: اے عبداللہ! تو نے فلاں فوج کے ساتھ جانا تھا؟ یہاں ٹھہرنے کا کیا مقصد؟ تو سیدنا عبداللہ بن رواحہؓ نے عرض کی! آپ کی اقتداء میں جمعہ پڑھنے کے شوق سے رہ گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! اپنے خیال اور مرضی سے کی ہوئی نیکی قبول نہیں۔ اگر روئے زمین کی تمام دولت تیرے قبضہ میں آجائے اور تو اس کو راہ خدا میں صَرف کر دے، پھر بھی تو ان لوگوں کے ثواب اور مرتبہ کو نہیں پاسکتا جو میرا فرمان سن کر روانہ ہو گئے تھے۔

(مشکوۃ ج 2 ص 340 مطبوعہ نور محمد کراچی)

قارئین! غور فرمائیں کہ نماز جمعہ کی ادائیگی سے ہفتہ عشرہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور پھر مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک ہزار نماز سے زیادہ ثواب ملتا ہے اور پھر سید الانبیاء ﷺ کی اقتدا میں تو نور علی نور ہے لیکن آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! روئے زمین کی تمام دولت راہ خدا میں خرچ کرنے سے بھی وہ ان کے ثواب اور مقام ومرتبہ کو نہیں پاسکتا جو میرا اشارہ پاکر عمل کر چکے ہیں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی

بدعت کی تعریف

بدعت کی تعریف امام نوویؒ نے شرح مسلم ص 285 پر یوں کی ہے کل شئی عمل علی غیر مثال سابق اور مختار الصحاح ص 32 پر ہے: فالبدعة عبارة عن طریقه فی الدین مخترعة تضاهی الشرعیة یقصد بالسلوك علیها المبالغة فی التعبدلله سبحانه خلاصہ یہ ہے کہ بدعت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دین میں نئی ایجاد کی گئی ہو اور کتاب وسنت میں اس کی اصل نہ ہو۔

محترم قارئین! عید میلاد النبی ﷺ موجودہ دور کی بدعت ہے جس کا وجود 600ء تک ناپید ہے اور 604ء کے بعد ایک مُسرف، بے دین اور عیاش بادشاہ نے اس کو ایجاد کیا۔ یہ تحفہ مسلمانوں کے قلوب واذہان میں اتنا بلند مقام حاصل کر گیا ہے کہ نام نہاد مسلمانوں نے اور پیٹ پرست ملاؤں نے اس کو تیسری عید تصور کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بدعات وخرافات سے جملہ مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

☆..........☆..........☆

وحی الٰہی کا واضح انکار

عطاء محمد جنجوعہ

قسط نمبر 4

ثقافت دین اسلام کا جزو ہے

برصغیر پاک و ہند میں انگریز دور میں سیاست کو دین سے الگ کرنے کی مہم شروع ہوئی تو اُس دور میں علامہ اقبال و دیگر مخلص راہنماؤں نے پرزور مزاحمت کی۔ پاکستان میں سرکار کی سرپرستی میں ادارہ ثقافت اسلامیہ قائم ہوا جو ثقافت کو اسلام سے جدا کرنے کے لیے سرگرم عمل رہا اور اب ایک ممتاز دینی خاندان کے چشم و چراغ نے ایک حدیث سے اس کا جواز تلاش کیا۔

صحیح بخاری کتاب النکاح باب غطۃ الرجل سے تفصیلی روایت کا خلاصہ یہ ہے: ''مکہ کے مہاجرین کے ہاں کسی عورت کا اپنے خاوند کو کسی بات پر ٹوکنا سرے سے متصور نہ تھا جبکہ انصار میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ وہ خاوند کو کسی بات پر ٹوک سکتی ہیں۔

سیدنا عمر فاروقؓ کو ایک روز ان کی اہلیہ نے کسی بات پر ٹوکا تو اُنھیں بہت غصہ آیا، بیوی نے جواب دیا کہ مجھے ڈانٹنے کی ضرورت نہیں یہ تو نبی کریم ﷺ کے گھر میں بھی ہوتا ہے، ان کی ازواج مطہرات کسی بات پر ٹوک دیتی ہیں تو سیدنا عمر فاروقؓ نے اسے اس بات سے تعبیر کیا کہ انصار کی عورتوں کی عادات ہماری عورتوں پر اثر انداز ہوتی جا رہی ہیں۔

چنانچہ سیدنا عمر فاروقؓ اسی غصے میں سیدھے اُم المؤمنین سیدہ حفصہؓ کے گھر پہنچے جو اُن کی حقیقی بیٹی تھیں، انھیں سمجھایا کہ ایسا مت کیا کرو، وہ تو بیٹی تھیں، خاموش رہیں مگر جب یہی بات فاروق اعظمؓ نے اُم المومنین سیدہ اُم سلمہؓ سے کہنا چاہی تو انھوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا: ''آپ نے میاں بیوی کے معاملات میں بھی مداخلت شروع کر دی ہے۔'' سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ واقعہ جناب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ صرف یہ فرمایا: ''آخر وہ اُم سلمہ ہے!''

دورِ نبوی کے اس طرز کے واقعات و روایات اور احادیث کی روشنی میں آج کے عالمی حالات کے تناظر میں اصول و ضوابط وضع کرنے چاہئیں کہ مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں کے تال میل میں کہاں ایڈجسٹمنٹ کی گنجائش ہے؟ کہاں صاف انکار کی ضرورت ہے اور کہاں کوئی درمیان کا راستہ نکالا جا سکتا ہے یہاں میں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم نے دین اور ثقافت کے درمیان حد فاصل قائم نہیں رہنے دی اور بہت سے معاملات میں دونوں کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دین کی بنیاد آسمانی تعلیمات پر ہے اور اس کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے، جبکہ ثقافت کی بنیاد ایک علاقے میں رہنے والے لوگوں کے درمیان خود بخود تشکیل پا جانے والی معاشرتی اقدار و روایات پر ہوتی ہے اور اس کا سرچشمہ سوسائٹی اور اس کا ماحول ہوتا ہے مگر ہم نے بعض معاملات میں اپنی علاقائی ثقافتوں پر دین و شریعت کا لیبل لگا کر انھیں ساری دنیا سے ہر حال میں منوانے کی قسم کھا رکھی ہے، جس سے طرح طرح کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔''

(ماہنامہ الشریعہ، 6 مئی 2005ء، ص 7)

اسلام میں نیکی کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا صرف مردوں کی ذمہ داری نہیں عورتوں کی بھی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی نے احادیث اور سیرت کی کتب سے متعدد واقعات نقل کیے ہیں جن میں عورتوں نے اپنے خاوند اور دیگر رشتہ داروں پر روک ٹوک کی ہے۔

ایک واقعہ پیش خدمت ہے: امام احمدؒ نے نبی کریم ﷺ کی

زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی، انھوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی آزاد کردہ لونڈی سلمیٰ یا ابو رافع کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے شوہر کے مارنے کی شکایت لے کر حاضر ہوئیں، سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع سے پوچھا: اے ابو رافع! تم دونوں کا معاملہ کیا ہے؟ عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ مجھے اذیت دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے سلمیٰ! تو نے اس کو کس چیز سے اذیت دی؟ عرض کی: میں نے اس کو بالکل اذیت نہیں دی ہے، اصل صورتحال یہ ہے کہ یہ دوران نماز بے وضو ہوئے تو میں نے انہیں کہا: ''اے ابو رافع! رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان میں سے کسی کو ہوا خارج ہو تو وضو کرے، اس پر انھوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ ہنسنے لگے اور فرمایا: ''اے ابو رافع! اس نے تو تجھے اچھی بات ہی کا حکم دیا ہے۔'' (ماخوذ از نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں خواتین کی ذمہ داری، ص:102)

اگر عورت خانگی معاملات میں مشورہ دے یا مداخلت کرے یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے خاوند کو روک ٹوک کرے تو اس سے دو تہذیبوں کی ہم آہنگی ثابت نہیں ہوتی؟

ثقافت کیا ہے؟

شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا نے اس کی وضاحت کی ہے:

''تہذیب، تمدن، فلاحت، تربیت، ذہنی ترقی، ظہور انسانیت، اختیار و آداب اور رکھ رکھاؤ، یہ ایک مجموعی لفظ ہے جو معاشرت، تہذیب اور تمدن کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اصطلاحی طور پر ثقافت' تہذیب اور تمدن کے معنوں میں فرق ہے۔ ثقافت کے اصطلاحی معنی انسانوں کے طریق زندگی کے ہیں، یعنی انسان کیوں کر رہتے، ملتے جلتے، کھاتے پیتے، بولتے گاتے اور سلیقے سکھاتے ہیں گویا مجموعی طور پر طرز معاشرت کو ثقافت کا نام دیا جاتا ہے۔

انگریزی میں اس کے لیے کلچر (Culture) کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی ہل چلانا یا کھیتی باڑی کرنا کے ہیں، اصطلاح میں اس کے مفہوم میں ذہنی ترقی' اخلاق و آداب' تہذیب و تمدن اور قومی خصوصیات شامل ہو جاتی ہیں۔''

اسلام جامع و اکمل ضابطۂ حیات ہے جو ثقافت کے لغوی اور اصطلاحی معاملات میں ہماری راہنمائی کرتا ہے۔ اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی معاملات میں کوئی ایسا پہلو نہیں ہے کہ جس کے متعلق نبی کریم ﷺ نے اخلاقی تربیت نہ کی ہو، مثلاً قرآن نے عورتوں کو پردے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے وضاحت کی ہے کہ وہ باریک اور چست لباس نہ پہنیں، جس سے جسم کی رنگ اور بناوٹ ظاہر ہو، اب وہ اپنی استطاعت اور علاقائی رسم و رواج کے مطابق اونی، سوتی، ریشمی لباس پہننے اور سلائی کرانے میں آزاد ہیں لیکن فرمان نبوی کی خلاف ورزی نہ ہو۔

مغرب میں عورتیں برہنہ لباس پہن کر سر عام گھومتی پھرتی ہیں جبکہ امام کائنات ﷺ نے فتنے کے ڈر سے عورتوں کو تنبیہ کی ہے: ''کوئی عورت کسی عورت کے سامنے اپنا بدن ننگا نہ کرے۔'' (صحیح بخاری)

آپ خود غور و فکر کریں کہ مغربی ثقافت اور اسلام میں ہم آہنگی کیسے ممکن ہے؟ اگر آپ کہیں کہ مغرب کے مثبت پہلو کو اختیار کر لیا جائے اور منفی پہلو سے اجتناب کر لیا جائے۔

گزارش ہے کہ یہی نظریہ اعتدال ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے جرمنی میں مکالمے کے دوران پیش کیا تھا تو یورپی دانش وروں نے یک زبان ہو کر اُن کے اخذ و انتخاب کے نظریے کو ٹھکرا دیا کہ ''آپ کو چناؤ کا اختیار نہیں بلکہ آپ کو مغربی پیکج جوں کا توں قبول کرنا ہوگا۔''

(الشریعہ مارچ 2005ء، ص 11)

خدانخواستہ اگر ہم اپنی ثقافت کو مغربی ماحول میں ڈھالنے پر راضی ہو گئے تو وحی الٰہی کے احکام مسجد تک محدود ہو جائیں گے، ثقافت دین سے جدا نہیں چونکہ خورد و نوش، بود و باش، شادی و غمی، طرز معاشرت، طرز زندگی غرضیکہ ثقافت کے تمام شعبوں میں نوع انسان کی راہنمائی کے لیے وحی الٰہی کے اجمالی احکام موجود ہیں، اس لیے ثقافت دین اسلام کا جزو ہے۔ جدت پسند مفکرین نے عقل و وجدان کو معیار بنا کر اسلامی نظام حیات

کے انفرادی واجتماعی اصولوں کو پرکھنا شروع کر دیا اور جو احادیث لادینی نظام کی راہ میں حائل ہوئیں اُن کا انکار کر دیا۔

محترم سید خالد جامعی فتنۂ انکارِ حدیث کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''حقیقت یہ کہ تمام جدیدیت پسند مفکرین کا سب سے پہلا جملہ رسالت مآب کی حیثیت، مقامِ رسالت، عصمت اور احادیث پر ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اسلامی تہذیب، تاریخ، حکومت اور تمدن کے سرچشمے پھوٹتے ہیں لہٰذا ان سرچشموں کو گدلا کیے بغیر جدیدیت عالم اسلام میں برگ وبار نہیں لا سکتی۔''

(جریدہ:29 جامعہ کراچی ص:29)

جدیدیت سے نہ صرف عوام بلکہ روایت کے داعی علماء بھی متاثر ہوئے، امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ **الجامع اصح الکتب بعد** کتاب اللہ ہے۔

مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی نے بخاری ومسلم کو مذہبی داستانیں بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے ''ہدایہ علماء کی عدالت میں'' امام بخاریؒ کے پچیس اوہام کا ذکر کیا ہے۔ ''جامع بخاری صحیح نہیں ہے'' کبیر والا کا معروف عالم احمد سعید خان اس موضوع پر مناظرے کر رہا ہے، اس امر کی دلالت کے لیے محفوظ ہے۔

ایک ذاتی مشاہدہ ہے، نجی محفل میں دو صاحبانِ علم کے مابین نماز کے ایک مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی۔ جب ایک صاحب نے بخاری شریف کا حوالہ دیا تو دوسرے نے جواب میں فوراً کہا: ''بخاری کے مطابق تو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی جائز ہے، (اس شخص نے اُٹھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا) تو تم اس طرح کھڑے ہو کر پیشاب کیوں نہیں کرتے؟''

حدیث نبوی ﷺ سے تضحیک کرنے والے صاحب جنھوں نے باقاعدہ دورۂ حدیث کیا تھا، یہ جرأت کیوں کی؟ ہماری ناقص رائے کے مطابق اس میں قصور ان مدارس کا بھی ہے، جہاں احادیث کا متن ناظرہ قرآن کی طرح پڑھایا جاتا ہے، حدیث کی عظمت مقام اور توضیح پر توجہ نہیں دی جاتی۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی نے الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ میں ''مغرب کا فکری وتہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں'' کے موضوع پر فکری نشست سے خطاب کیا۔ انھوں نے قرآن تعلیم کے بعد علم حدیث کی تدریس پر اظہار خیال کیا:

''اس نصاب کو پڑھ کر جو لوگ تیار ہوتے ہیں، ان میں کوئی علم حدیث کا متخصص نہیں ہوتا۔ ان کو محض چند فقہی موضوعات سے متعلق وہ حدیثیں یاد ہوتی ہیں۔ جن میں فقہائے احناف کا کوئی کلام یا فقہائے شوافع کا کوئی مستدل ہے۔ مدارس میں تین تین ماہ تک اس پر بحث ہوتی رہتی ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی! یہاں لوگوں کے ایمان ضائع ہو رہے ہیں۔ لوگ ایمان ہی کو نہیں مان رہے کہ ایمان بھی کوئی چیز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے کسی کو بحث نہیں۔

آپ ﷺ نے ایمان کے بارے میں کیا فرمایا: وہ کسی کا Concern نہیں۔ لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے کسی مقتدا یا پیشوا کے نقطۂ نظر کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ثابت کر دیں اس کے بعد اگلے چھ مہینے ان احادیث پر خرچ ہو جاتے ہیں۔

جن میں فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین کی طرح کے اختلافی موضوعات بیان ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جو طالب علم سب سے تیز پڑھنے والا ہوتا ہے اس کو کہتے ہیں کہ تم پڑھو اور روزانہ چالیس صفحے پڑھو، نہ استاد کو اس سے کوئی بحث ہوتی ہے اور نہ شاگردوں کو ہی کچھ پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی جو ساری شریعتوں کا ناسخ اور ہر چیز کا معیار ہے اور جس کے بعد ہر بات کالعدم ہے اس میں کیا بات کہی گئی ہے۔

کتب حدیث کی شروح کو دیکھ لیجئے جو شروع کی بحثیں ہیں ان میں ایک باب تین جلدوں میں آیا ہے تو دوسرا باب چار جلدوں میں جبکہ آخر میں تین تین سطروں کے حاشیے ہیں۔''

(ماہنامہ، الشریعہ مارچ 2005ء ص:28)

(جاری ہے)

لاقانونیت کے نقصانات

فاروق الرحمن یزدانی مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو ضابطہ حیات اسلام کے نام پر قرآن وحدیث کی صورت میں نازل فرمایا ہے وہ بالکل فطرت کے عین مطابق ہے جس میں انسان کے جان ومال، اولاد اور عزت وناموس کا مکمل تحفظ موجود ہے۔ اگر ہم قرآن وحدیث کی ہدایات اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو معاشرے کا ہر فرد اپنے اوپر نافذ کر لے اور رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ کو اپنے لیے مشعل راہ بنا کر اپنی زندگیوں کو اسوہ رسول میں ڈھال لیں تو یقیناً کسی بھی شخص کو کسی دوسرے شخص سے معاملے میں کوئی گلہ شکوہ تک نہ رہے کیونکہ پھر ہر شخص دوسرے کے حقوق کا خیال رکھے گا اور اپنے ذمہ فرائض ادا کرے گا۔

آج ہمارے معاشرے میں سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ہر آدمی اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے مگر اپنے ذمہ فرائض کو ادا کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ مثلاً: ایک مالک اپنے ملازم سے کام تو پورا بلکہ زیادہ لیتا ہے لیکن اسے معاوضہ دینے میں لیت ولعل سے کام لیتا ہے۔

ایک استاد اپنے شاگرد سے غلاموں جیسی خدمت اور فرمانبرداری کا تقاضا تو کرتا ہے لیکن ان کی تعلیم وتربیت سے متعلقہ جو فرائض اس کے ذمہ ہیں ان کی چنداں پرواہ نہیں کرتا وبالعکس ایک ملازم خواہش تو اپنے مالک سے تنخواہ سے بھی زائد بونس اور الاؤنس کی رکھتا ہے لیکن کام وہ اپنی مرضی سے کرنا چاہتا ہے جتنا وہ چاہے اور جب چاہے۔ شاگرد اپنے استاد سے چاہتا ہے کہ اسے دنیا جہان کے علوم وفنون کا ماہر بنا دیا جائے مگر اس کے لیے نہ تو وہ استاد کا احترام وخدمت کرتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کی قربانی دینے کا روادار ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیا جائے تو ہر کوئی اپنے فرائض بھی ادا کرے گا اور دوسرے سے اپنے حقوق بھی بغیر مشقت کے حاصل کرے گا

مگر ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات سے کوسوں دور ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو ہم اپنی ذمہ داریوں کو پہچان کر پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ ہی ہم اپنے حقوق حاصل کرتے ہیں۔

جس کی زندہ مثال کوٹ رادھا کشن قصور میں ہونے والا واقعہ ہے جس میں ایک مسیحی جوڑے کو اس الزام پر زندہ جلا دیا گیا کہ انھوں نے قرآن مجید کی توہین کی ہے اور پھر اس سانحہ کی آڑ میں اسلام، علماء اسلام، دینی مدارس اور مساجد کے خطباء وآئمہ کو مطعون کیا جا رہا ہے اور سارے کا سارا ملبہ انھی لوگوں پر ڈالا جا رہا ہے۔ حالانکہ اگر بنظر غائر اور انصاف دیکھا جائے تو اس کے اصل ذمہ دار تو حکمران ہیں یا ان کے قانون نافذ کرنے والے ادارے۔

اگر حکمران انصاف کریں اور ایسے قوانین اور اصول وضوابط بنائیں جو عدل وانصاف اور حق پر مبنی ہوں پھر ان کو پوری ذمہ داری اور سنجیدگی سے نافذ کریں اور ان پر عمل کروائیں تو کوئی چھوٹا ہو یا بڑا کبھی بھی قانون کو ہاتھ میں لینے کی جرات نہیں کرے گا لیکن جب لوگ دیکھتے ہیں کہ حاکم وقت کا قانون غریب، لاچار اور لاوارث کے لیے تو بے آواز لاٹھی بن جاتا ہے اور پھر اس حکمران اور قانون کے نفاذ کی دھاڑ بڑی دور تک سنائی دیتی ہے، اگر چہ وہ جرم معمولی نوعیت کا ہی کیوں نہ ہو۔

حاکم وقت کے لیے اپنے اختیارات اور قوت نافذہ کے اظہار کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کسی بے کس ومجبور پر اس قانون کے نفاذ کا تجربہ

کیا جائے لیکن جب اسی جرم بلکہ اس سے بھی کسی بڑے جرم کا مرتکب ''صاحب سلامت'' کا کوئی بیٹا، بھائی باپ یا داماد وغیرہ ہو تو پھر صاحب کی زبان کو تالا لگ جاتا ہے نا صرف کہ لیت ولعل سے کام لیا جاتا ہے بلکہ قانون کی لاٹھی کی آنکھیں چار ہو جاتی ہیں جس سے وہ مجرم کو پہچان لیتی ہیں کہ اس کے ساتھ قانون کی کس شق کے تحت عمل کرنا ہے۔

عزیز قارئین! جب لوگ ہر روز یہ نظارہ دیکھتے ہیں تو پھر وہ اپنے معاملات خود نمٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے انھیں لامحالہ قانون کو ہاتھ میں لینا پڑتا ہے جس کے نتیجے میں وہ زیادتی کے مرتکب بھی ہوتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں ایک تو ان کی آنکھوں میں انتقام کا خون ہوتا ہے اور دوسرا وہ کسی قانون قاعدے کے تو پابند نہیں ہوتے بلکہ انھوں نے خود ہی منصف بن کر جرم کا فیصلہ کرنا ہے اور خود ہی اسے نافذ کرنا ہے۔

اگر حکمران چاہتے ہیں کہ ان کی رعایا میں امن وسکون اور قانون کی بالادستی ہو، ان کا ملک، قوم، ادارہ اور محکمہ ترقی کرے تو پھر انھیں عدل وانصاف کرتے ہوئے قانون کو پوری قوت سے نافذ کرنا ہوگا۔ جو لوگ عدل وانصاف نہیں کرتے یا قانون کے نفاذ میں ڈھنڈی مارتے ہیں وہ حکمران اور سربراہ اپنے گھر، قوم، ملک محکمے اور ادارے کی بربادی کا نہ صرف باعث بنتے ہیں بلکہ اس کی بربادی کی بنیاد اپنے ہاتھوں رکھ دیتے ہیں۔

یہ بات روزمرہ کے تجربے اور مشاہدے سے بھی ہٹ کر امام کائنات ﷺ کے فرمان عالی شان میں بھی موجود ہے، سیدنا نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد (سیدنا بشیرؓ) مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے، آپ اس پر گواہ بن جائیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اس بیٹے کے علاوہ بھی تیری اولاد ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا جی ہاں تو آپ نے فرمایا: اس طرح کے غلام تو نے اپنے باقی بچوں کو بھی دیے ہیں؟ تو انھوں نے عرض کی نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اِعْدِلُوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ اِعْدِلُوْا بَیْنَ اَوْلَادِکُمْ اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرو، اپنی اولاد کے درمیان عدل وانصاف کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے دوسرے بچوں کو بھی اسی طرح برابر کا ہبہ دو یا اس سے بھی واپس لے لو۔''

بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کیا آپ نہیں چاہتے کہ آپ کی اولاد ایک جیسا آپ کا احترام اور خدمت کرے (اگر ایک جیسا سلوک نہیں کرو گے تو گھر برباد ہوگا اور اولاد میں اختلاف ہوگا ایک آپ کی خدمت کرے گا تو دوسرا مخالفت)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر حقیقی اولاد کے درمیان انصاف نہ ہو تو وہ بھی خرابی اور بربادی کا باعث ہوتا ہے چہ جائیکہ غیر اولاد میں انسان ناانصافی اور ظلم وزیادتی کر کے سمجھے کہ امن وسکون اور خوشحالی ہوگی تو

این خیال است ومحال است وجنوں

اسی طرح جو بھی قانون ہو اس کو بلا تفریق نافذ کیا جائے اس میں اپنے، بیگانے، کمزور، طاقتور، چہیتے اور اجنبی کی تفریق نہ کی جائے تو برکت ہی برکت اور بصورت دیگر تباہی و بربادی ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ ناانصافی جس سطح کی ہوگی اسی سطح کی بربادی ہوگی۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مقدمہ آیا جس میں ایک فاطمہ نامی عورت نے چوری کی تھی اور وہ عرب کے ایک نامور قبیلے ''مخزوم'' سے تعلق رکھتی تھی۔ آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اب اس عورت کی سفارشیں آنا شروع ہوگئیں کہ یہ فاطمہ مخزومیہ کو سزا ملنے سے پورے قبیلے کی بدنامی ہوگی اور معاشرے میں عزت نہ رہے گی لیکن فیصلہ نبوی برقرار رہا آخر سیدنا اُسامہ بن زیدؓ کو تیار کیا گیا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے سفارش کریں کہ آپ ﷺ اس کی سزا معاف کردیں یا اس میں کچھ تبدیلی کردی جائے۔

چنانچہ سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ

سے یہ سفارش کی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو مسجد میں جمع کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ چند ہی لمحوں میں مسجد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھر گئی کیونکہ لوگوں میں اس کیس کی بہت شہرت تھی اور وہ جاننا چاہتے تھے کہ آپ کیا فیصلہ فرماتے ہیں؟ امام کائنات ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! میرے پاس فاطمہ مخزومیہ کی سزا کے متعلق بہت سفارشیں آئی ہیں کہ اس کو معاف یا تبدیل کر دیا جائے۔ لوگو یاد رکھو! تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ و برباد ہوئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں امیر اور غریب میں تفریق کرتے تھے اگر کوئی غریب آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دیتے تھے اور اگر وہی جرم کوئی امیر اور طاقتور کرتا تو اس کو سزا نہیں دیتے تھے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں بھی اسی طرح کا فیصلہ کروں جو ہماری تباہی کا سبب بنے۔

یاد رکھو! یہ فاطمہ تو عرب کے ایک عام قبیلے ''مخزوم'' کی عام عورت ہے لو ان فاطمة بنت محمد ﷺ سرقت لقطعت یدھا اگر (محمد ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

آج ہمارے حکمرانوں اور فیصلہ کرنے والی قوتوں کو غور کرنا چاہیے کہ آج کسی کا باپ یا بیٹا، سسر یا داماد، دوست یا خدمت گزار، ووٹر یا سپورٹر کون ہے جو فاطمہ بنت محمد ﷺ سے زیادہ معزز ہو کہ جسے سنگین ترین جرم پر بھی صرف اس لیے سزا نہ دی جائے کہ یہ خاندان اور پارٹی کی بناء پر طاقتور ہے یا اس سے ہمارے مالی مفادات وابستہ ہیں وغیرہ وغیرہ۔

ہمارے ہاں ماضی قریب میں ہی ایسے واقعات ہوئے کہ جب فیصلہ کرنے والی قوتوں کے اپنے مفادات پر زد پڑتی نظر آئی تو رات کو بھی عدالتیں لگا کر فیصلے سنائے گئے لیکن غریب کے لیے تاریخوں پہ تاریخیں دی جاتی ہیں کہ اچھا اب کرتے ہیں کہ اب کرتے ہیں' اس مصروفیت کے بعد جلدی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ بس اس تاریخ پر معاملہ حل ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ، قارئین کرام! آپ نے بھی ایسے مناظر بار ہا دیکھے ہوں گے خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب فیصلہ کرنے والوں کو اپنا کوئی فائدہ نظر آ رہا ہوتا ہے تو وہ خود کرسیاں سیدھی کرتے ہیں پنچایت اور جیوری یا جرگہ کے افراد کو خود جمع کرتے ہیں اور پانچ منٹ میں فیصلہ سنا دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی معاملہ اپنے یا اپنے کسی عزیز کے خلاف ہو تو پھر مہینوں گزر جانے پر بھی اس کیس کی ساعت کی نوبت بھی نہیں آتی۔

آج بھی وطن عزیز میں ایسی صورتحال ہے کہ عوام اور حکمرانوں نے اپنی اپنی قوتوں کے ساتھ مل کر ایسے اقدامات کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی کہ جو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور قوم کی تباہی کا باعث ہو یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے اور یہ ملک بنانے والوں اور اس کے لیے قربانیاں دینے والوں کا خلوص تھا کہ یہ ملک آج تک قائم ہے ورنہ ہمارے اعمال تو اس قابل نہیں ہیں کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جس کام میں اخلاص (اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو) اور محنت ہو اللہ تعالیٰ وہاں آسانیاں پیدا فرماتے ہیں۔ ہم نے کئی ایسے ادارے اور گھر دیکھے ہیں کہ جن کے ذمہ داران نے ان کی تباہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کی لیکن ان کے بانیان مخلص تھے کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انھیں اجتماعی بربادی سے محفوظ رکھا ہے۔ اب بھی اگر حکمران چاہتے ہیں کہ ملک میں امن و سکون ہو اور ان کی رعایا ان سے خوش اور فرمانبردار رہے تو انھیں چند ایک عملی اقدامات کرنے چاہئیں۔

(1) حدود اللہ کا نفاذ بلا تفریق کرنا چاہیے۔

(2) جن مجرموں کو سزائے موت ہو چکی ہے اور وہ واقعی مجرم ہیں تو انھیں بلا تفریق جلد کیفر کردار تک پہنچانا چاہیے۔

(3) کسی بھی مجرم خواہ وہ اپنی ذات کے لیے کتنا ہی قریبی اور مفید کیوں نہ ہو نا تو اس کی سفارش کریں اور نہ ہی اس کو کسی قسم کی سپورٹ دیں۔

(4) ملک میں رہنے والی تمام اقلیتوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے حقوق اور حدود کے اندر رکھیں تا کہ انھیں مسلمانوں کی اکثریت کے

سروں پہ سوار کریں۔

(5) اداروں، محکموں اور تھانوں وغیرہ میں اہل لوگ مقرر کریں۔ اپنے عزیز واقارب یا دوست واحباب کو اپنی ذاتی اغراض کے لیے مقرر کر کے قوم کے ساتھ ظلم وزیادتی کے مرتکب نہ ہوں۔

(6) اور خصوصاً ناموس رسالت ﷺ کے تحفظ کے لیے قوانین کو نا صرف کہ مزید مضبوط اور سخت بنایا جائے بلکہ ان کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے بھی قانون سازی اور عملی اقدامات کیے جائیں اور پھر ان کی روح کے مطابق عمل درآمد کروایا جائے۔

(7) انسانیت کا کھلے عام قتل کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو اسے بلا تفریق قرار واقعی سزا دی جائے تا کہ آئندہ کسی کو قانون ہاتھ میں لینے کی جرات نہ ہو اس کے برعکس کسی بے گناہ کو مجرم ٹھہرا کر سزا دینا اُسے ریاست سے بغاوت پر مجبور کرنے کے مترادف ہے۔

(8) ایسی تمام این جی اوز اور افراد کی نا صرف کہ مانیٹرنگ کی جائے بلکہ ان کی مکمل تفتیش کر کے ان کے اثاثوں کی چھان بین کر کے قوم کے سامنے لایا جائے جو بین المذاہب ہم آہنگی، عورتوں کے حقوق، بچوں کے حقوق وغیرہ کے خوش نما ناموں کے ساتھ غیر ملکی وطن دشمن، اسلام دشمن، قوتوں کے سرمائے پر نہ صرف کہ پل رہے ہیں بلکہ اپنی تجوریوں کو بھی بھر رہے ہیں کیونکہ یہی غیر ملکی فنڈز ایسے واقعات کی آڑ میں میڈیا اور بااثر افراد پر خرچ ہوتے ہیں جس سے ان واقعات کو نہ صرف کہ اچھالا جاتا ہے بلکہ غلط تصویر پیش کر کے ملک وقوم اور اسلام کو بھی بدنام کیا جاتا ہے۔

(9) اقلیتوں کو خود تحفظ ناموس رسالت وشعائر اسلام کے قوانین کو ختم کرانے کی بجائے موثر بنانے اور ان کے نفاذ کا مطالبہ کرنا چاہیے تا کہ آئندہ کوئی بھی جتھہ اور گروہ یا بلوہ بغیر تحقیق صرف الزام یا شبے کی بنا پر کسی کی جان، مال اور عزت کو پامال نہ کر سکے۔

آخر میں پھر ایک دفعہ ہر اس شخص سے جو کسی بھی جگہ کسی بھی درجے کی مسؤلیت رکھتا ہے کہنا چاہوں گا کہ اپنے اپنے ماتحت افراد اور رعایا میں عدل وانصاف کو لازمی قرار دیں اور اس کے لیے دل وجان سے پوری کوشش کریں ورنہ تباہی وبربادی سے آپ کی ٹال مٹول یا ڈنگ ٹپاؤ پالیسی نہیں بچا سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جو مہلت دی ہے اسے اپنی دانش مندی نہ خیال کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مہلت سمجھ کر فائدہ اٹھائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **واملی لھم ان کیدی متین** اور فرمایا **سنستدرجھم من حیث لایعلمون** اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو اور ہماری، ہمارے ملک اور قوم کی نا صرف کہ حفاظت فرمائے بلکہ اس کو دن دگنی رات چوگنی ترقی بھی عطا فرمائے (آمین)

بقیہ: درس حدیث

تم یتیموں کو اچھی طرح آزمانے کے بعد اس وقت ان کا مال ان کے حوالے کرو جب تم ان میں بھلائی (اچھائی اور برائی کا امتیاز کرنا) محسوس کر لو اور تم ان کے مال کو فضول خرچی اور ان کے بڑے ہونے کے ڈر سے نہ کھاؤ، اگر کوئی غنی ہو تو وہ یتیم کا مال کھانے سے پرہیز کرے، اگر (نگران یا متولی) فقیر اور تنگ دست ہو تو وہ یتیم کا مال اچھے طریقے سے کھا سکتا ہے اور جب تم ان کا مال انھیں واپس کرو تو اس پر گواہ بنا لو (اور تم اچھی طرح جان لو) اللہ تعالیٰ حساب لینے والے ہیں۔ (النساء: 6)

اسی طرح دوسرے مقام پر ناجائز اور ظلم کے ساتھ یتیم کا مال کھانے والے کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دنیا میں اپنے پیٹ کو جہنم کی آگ سے بھر رہا ہے، اگر موجودہ دور میں فتنوں کے اسباب پر غور کیا جائے تو ان میں سے ایک سبب یتیم کے مال کو ناجائز طریقے سے ہتھیا لینا بھی ہے اگر اسلام کے اس سنہری اصول (ناجائز طور پر یتیم کا مال کھانا ہلاکت کا سبب ہے) پر عمل کرتے ہوئے یتیم کو اس کا پورا پورا حق ادا کیا جائے اور اس کے مال کی کما حقہ حفاظت کی جائے تو معاشرے سے بہت سارے جرائم با آسانی ختم ہو سکتے ہیں۔

جشن عید میلاد النبی ﷺ کی حقیقت

وقار عظیم بھٹی

ربیع الاول کا چاند نظر آتے ہی مکانوں، دوکانوں اور بازاروں کو چراغاں کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، پھر نبی کریم ﷺ کے نعلین مبارک کے نقشہ سے پرنٹ شدہ جھنڈیاں گھروں بازاروں میں لٹکائی جاتی ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس اس بات کا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی مذہبی جماعت یا سیاسی قیادت اپنے جماعتی پرچم کے لیے قرآن کی کسی آیت یا کسی اعلیٰ چیز کا انتخاب کرتی ہے مگر عاشق رسول نعلین مبارک کے اوپر اسم محمد ﷺ لکھوا کر محبت کا اظہار کرتے ہیں، نہ جانے یہ کیسی احمقانہ محبت ہے؟ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ آمد رسول کی خوشی میں مصنوعی غار حراء اور غار ثور کی مثل پہاڑیوں اور مختلف ڈیزائن کے ساتھ روضہ رسول کے ماڈل تیار کیے جاتے ہیں۔ ذرا انصاف سے سوچیں کہ اگر روضہ رسول کے ماڈلز یورپ اور امریکہ کے اخباروں میں چھپیں تو ہم نام نہاد مسلمان گلے پھاڑ پھاڑ کر ان کے لیے ''گستاخ رسول کی سزا، سرتن سے جدا'' کے نعرے لگاتے ہیں اور اگر عاشقان رسول خود بنائیں تو کوئی بات نہیں، واہ جی واہ کیا خوب انصاف ہے۔ اسی طرح شہروں اور قصبوں میں جشن میلاد النبی کا لیبل لگا کر عاشق رسول بینڈ باجے، میوزک، قوالیاں اور ڈھول کی تھاپ پر رقص وسرور کی محفلیں منعقد کر کے محبت رسول کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ اللہ کی قسم میرا ایمان ہے کہ نبی کی محبت ایمان کی تکمیل ہے جو نبی سے محبت نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں مگر ایسی محبت کی شریعت نے کہیں بھی اجازت نہیں دی۔ نوجوان نسل جو قوم کی معمار ہوتی ہے انھیں گلی کوچوں اور، بازاروں میں لوگوں کا راستہ روک کر اس ''کار خیر'' کے لیے زبردستی چندا وصول کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے اور جو نہیں دیتا اس پر گستاخ رسول کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔

سعودی عرب کے مفتی اعظم سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن بازؒ فرماتے ہیں کہ بہت سے افراد نے مجھ سے بار بار عید میلاد النبی کے جشن، مجالس اور اس کے دوران آپ کے لیے قیام وصلوٰۃ اور میلاد کے نام سے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کے شرعی حکم کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ سب کچھ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ تو آپ نے فرمایا: میلاد النبی کے موقع پر جشن منانا اور اس سلسلہ میں محفلیں منعقد کرنا شریعت میں قطعاً جائز نہیں، یہ کام سراسر بدعت اور دین میں نئی ایجاد ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے خود ایسا کام کیا اور نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرامؓ نے ایسا کام کیا اس کے علاوہ قرون اولیٰ سے بھی اس بات کا ثبوت نہیں ملتا۔ (التحریر من البدعۃ طبع کراچی)

وفاقی مجلس شوریٰ کے سابق رکن جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور کے مہتمم اور بریلوی مکتبہ فکر کے معروف عالم دین مولانا محمد حسین نعیمیؒ نے کہا ہے کہ عاشورہ اور بارہ ربیع الاول کے جلسے جلوس یادگاروں کے سلسلے میں نکالے جاتے ہیں، یہ مذہبی نقطہ نظر سے فرض ہیں نہ واجب۔ انھوں نے کہا کہ انسانیت کو قتل عام سے بچانے کے لیے مستحسن چیزوں کو ترک کیا جاسکتا ہے، ایسے جلسے جلوس دنیا کے دیگر اسلامی ممالک میں صرف اس لیے نہیں نکالے جاتے کہ یہ دین کا حصہ نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ آج کے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے جلوسوں پر فوری پابندی عائد کردی جائے۔ (روزنامہ جنگ لاہور 13 اکتوبر 1984) مولانا عبدالستار نیازی نے کہا ہے کہ جب تک مضبوط اور مستحکم بنیاد پر امن قائم نہ ہوجائے ایسے جلسے اور جلوسوں پر پابندی عائد کردی جائے جن کی بنیاد پر فرقہ ورانہ تعصبات بھڑکنے کا اندیشہ ہو۔ (روزنامہ امروز ملتان 14 اکتوبر 1986ء)

مولانا غلام سرور قادری بریلوی نے کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ہر قسم کے مذہبی جلوسوں کو سڑکوں پر آنے کی ممانعت کی جائے اور مساجد کے لاؤڈ سپیکروں کو صرف اذان کے لیے استعمال کیا جائے۔ (روزنامہ جنگ لاہور 21 ستمبر 1986ء) اسی طرح ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی کتاب ''میلاد النبی'' کے صفحہ 349 پر لکھا ہے کہ ''عید میلاد النبی قرون ثلاثہ کے بعد نیک مقاصد کے لیے شروع کی گئی۔'' سوال یہ ہے کہ کیا شیخ الاسلام کے نزدیک دین میں بدعت کا ایجاد کرنا ہی نیک مقصد ہے؟

12 ربیع الاول کا دن نبی کریم ﷺ کی زندگی میں 23 مرتبہ آیا، سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی زندگی میں 2 مرتبہ آیا، سیدنا عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں 10 مرتبہ آیا، سیدنا عثمانؓ کے دور خلافت میں 12 مرتبہ آیا، سیدنا علی المرتضیٰؓ کے دور خلافت میں 5 مرتبہ آیا، سیدنا امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں 20 مرتبہ آیا۔ کیا صحابہ کرامؓ، محدثین اور چاروں آئمہ کرام کو (نعوذ باللہ) رسول اللہ سے محبت نہ تھی؟ انھوں نے آپ کی ولادت باسعادت کا جشن کیوں نہیں منایا؟ اگر جشن عید میلاد النبی نہ منانے والے رسول اللہ سے محبت نہیں رکھتے اور گستاخ ہیں تو معاذ اللہ صحابہ کرامؓ و محدثین اور آئمہ کرامؒ پر کون سا فتویٰ لگاؤ گے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

جماعتی خبریں

اسلام اتحاد و یکجہتی کا دین ہے

اسلام اتحاد و یکجہتی کا دین ہے اسکے برعکس رنگ و نسل اور علاقائی وطبقاتی تقسیم در تقسیم کا دین نہیں ۔ان خیالات کا اظہار ناظم الامور السیاسیہ جماعت اہلحدیث پاکستان مفسر قرآن حافظ عبدالوہاب روپڑی حفظہ اللہ نے خطبہ جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔انھوں نے کہا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس نے معاشرے میں بسنے والے ہر مسلم اور غیر مسلم کے حقوق و فرائض واضح طور پر متعین کیے اور پھر کچھ جامع ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی ہے۔مثلاً معاشرے میں رہتے ہوئے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا آپس میں اتحاد و یکجہتی قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔اس کے برعکس آپس میں بدگمانی ،حسد، تجسس ،بغض رکھنے سے معاشرہ کبھی پر امن نہیں ہوسکتا۔ معاشرے میں قیام امن کے لیے ضروری ہے کہ ہر انسان اپنی ذمہ داری کا احساس کرے اگر معاشرے کے تمام افراد میں یہ سوچ پیدا ہو جائے کہ میرے ہمسائے کی عزت میری عزت ہے تو اللہ کی قسم عصمت دری کے بے شمار واقعات کا خاتمہ ہوسکتا ہے

دین اسلام امن و سلامتی کا دین ہے: خطاب

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔اسلام ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کا خواہاں ہے جس میں کسی مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان بھائی کو تکلیف نہ ہو۔ان خیالات کا اظہار امیر جماعت اہلحدیث پنجاب حافظ عبدالوحید شاہد روپڑی نے خطبہ جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔انھوں نے کہا کہ کسی مسلمان کی غیبت کرنا اس کے کردار کو داغ دار کرنے کے لیے بہتان بازی اور الزام تراشی کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ اسلام نے حق و سچ بات کرنے ،مسلمان بھائی کے عیب پر پردہ ڈالنے کا حکم دیا ہے،اس لیے بحیثیت مسلمان ہر کلمہ گو انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے متعلق حسن ظن رکھے۔

(رپورٹ: وقار عظیم بھٹی)

پریس ریلیز

سکولوں و کالجوں میں زیر تعلیم بچوں پر حملہ کرنا کھلی دہشت گردی ہے جس کی ہم کھلے عام مذمت کرتے ہیں۔ان خیالات کا اظہار ناظم اعلیٰ جماعت اہلحدیث صوبہ خیبر پختونخواہ مولانا محمد ادریس خلیل نے جماعتی وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔انھوں نے کہا کہ سانحہ پشاور نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ایسے لوگ جو بے گناہ بچوں کا خون بہاتے ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اسلام ایسے ظلم و ستم کی اجازت دیتا ہے۔انھوں نے کہا کہ حکومت اور علماء کو ایک ساتھ مل کر ملک پاکستان کے استحکام کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔

(منجانب: شعبہ نشر و اشاعت جماعت اہلحدیث پختونخواہ)

درس قرآن

مورخہ 19 جنوری 2015ء بروز سوموار بعد از مغرب دار العلوم تقویۃ الاسلام مدرسہ غزنویہ میں حضرت مولانا حافظ محمد یونس بٹ درس قرآن ارشاد فرمائیں گے۔تمام اہل اسلام سے شرکت کی اپیل ہے۔

(منجانب: سید جنید غزنوی دار العلوم تقویۃ الاسلام مہتمم مدرسہ غزنویہ 4 شیش محل روڈ لاہور)

ضروری اعلان

اہل علم حضرات بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالبرکات ؒ کے تلامذہ کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مولانا صاحب ؒ کی مفصل اور جامع سوانح حیات مرتب کی جارہی ہے۔مہربانی فرما کر ان کی حیات و خدمات کے حوالے سے مضامین ارسال فرمائیں۔شکریہ

(منجانب: قاری ابوبکر العاصم المدرسۃ العالیہ تجوید القرآن جامع مسجد لسوڑے والی بنگلہ ایوب شاہ اندرون شیرانوالہ گیٹ لاہور

(0092-0321-4862936

WEEKLY
TANZEEM AHL-E-HADITH
CPL-104
LAHORE